نقوشِ اسلم

یعنی حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحب رشادی وقاسمی رحمۃ اللہ علیہ
ناظم تعلیمات واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور کی حیات وخدمات کے چند نقوش

حسبِ حکم

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم وخلیفہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ)

مرتب

مولانا محمد خالد خان قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

ناشر

شعبہ تحقیق واشاعت

الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

فہرست

۱ کلمات تائیدوتوثیق: حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب
۲ تقریظ: حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم
۳ تقریظ: حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب دامت برکاتہم
۴ عرض مرتب
۵ تمہید
۶ ولادت اور خاندانی حالات
۷ ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن
۸ درسیات کی تکمیل
۹ طالب علمی کے حالات ایک رفیق درس کی زبانی
۱۰ تدریسی خدمات
۱۱ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم میں تدریسی خدمات
۱۲ کمالات علمیہ
۱۳ آپ کے علمی کمالات کی گواہی
۱۴ تحریری خدمات اوران کا تعارف
۱۵ دیگر خدمات
۱۶ اصلاحی تعلق اور بزرگوں سے وابستگی
۱۷ آپ کا اپنے شیخ کے نام خط

۱۸ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی خدمت میں

۱۹ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کی خدمت میں

۲۰ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی خدمت میں

۲۱ کمالات عملیہ

۲۲ سادگی وتواضع

۲۳ دیگر کمالات اوراوصاف حمیدہ

۲۴ آپ کی زاہدانہ زندگی

۲۵ فکر آخرت، خوف خدااورانابت الی اللہ

۲۶ حج بیت اللہ کی سعادت

۲۷ مرض الوفات اوروفات

۲۸ نماز جنازہ اورتدفین

۲۹ ہرانسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے۔

۳۰ عبرت کے تازیانے

۳۱ باقیات صالحات

۳۲ آخری ایام میں طلبہ کو نصیحت اور حسن خاتمہ

۳۳ شاگردوں اورورارثین پرآپ کا ایک اہم حق

۳۴ آپ کا وصیت نامہ (عربی) مع ترجمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿کلمات تائید وتوثیق﴾

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم وخلیفہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ)

آہ کہ رفیق محترم حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالی اس دار فانی سے دار بقاء کی جانب چند دنوں قبل بروز منگل بتاریخ ۷/محرم الحرام مطابق ۱۳/ڈسمبر کو اس طرح آناً فاناً کوچ کر گئے کہ بظاہر حالات اس کا کسی کو اندازہ نہیں تھا، اور کبھی یوں لگتا ہے کہ یہ واقعہ ایک خواب ہے حالانکہ یہ خواب معلوم ہونا ہی دراصل ایک خواب کی کیفیت ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ ''داغ جگر'' بن گیا ہے۔اور کئی دنوں تک یہ حالت رہی:

و لو شئت أن أبكى دما لبكيته عليه ولكن ساحة الصبر أوسع

(اگر میں چاہوں تو ان پرخون کے آنسوں روسکتا ہوں،مگر صبر کا دامن بڑا ہی وسیع ہے)

کسی نے خوب کہا ہے کہ:

سميته يحيى ليحيا ولم يكن الى رد أمر الله فيه سبيل

(میں نے اس کا نام یحی رکھا تا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے،مگر اللہ کے حکم کو رد کرنے کی کوئی سبیل نہیں تھی)

واقعی موت ایک حقیقت ہے جس سے نہ کسی بادشاہ کی بادشاہی نے اس کو بچایا،

نہ کسی امیر و رئیس کی امارت و ریاست نے اس کو نجات دی، نہ انبیاء وصلحاء اس کے چنگل سے بچ سکے، اور نہ میدانِ علم وتحقیق کے شہسوار اس کی پکڑ سے بچ سکے۔

اس لئے موت کا آنا نہ کوئی تعجب خیز امر ہے نہ حیرت انگیز بات، بلکہ اس کا روز روز مشاہدہ ہوتا ہے اور ہر گلی کوچہ، ہر محل وجھونپڑے میں اس کا گزر رہتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اسی کی عکاسی کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت
کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
دشت ودر میں، شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت

الغرض موت ایک یقینی وحقیقی چیز ہے، اور اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا، مگر بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جن کی موت ایک انسان کی موت نہیں، بلکہ ایک امت کی موت کے برابر ہوتی ہے۔ عرب کے ایک مشہور شاعر عبدہ بن الطبیب نے اپنے ممدوح قیس بن عاصم کے بارے میں کہا تھا کہ:

فَمَا كَانَ قَيسٌ هَلْكُهٗ هَلْكُ وَاحِد   وَلٰكِنَّهٗ بُنيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

(قیس کا مرنا ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے، بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھی جو منہدم ہو گئی)

ہمارے رفیق کار وصدیق محترم حضرت مولانا محمد اسلم اللہ خان صاحب رشادی وقاسمی بھی ایسی ہی ہستیوں میں سے تھے جن کی موت ایک شخص کی موت نہیں بلکہ ایک امت کی موت کے برابر ہے۔

مولانا کے وصال کے بعد جامعہ کے اراکین واساتذہ اور طلبہ، نیز اراکین

جمعیت بیدا اہل سنت والجماعت، نیز مولانا کے اساتذہ ومشائخ اور احباب واعزاء سب نے نہایت رنج وغم کا اظہار کیا، ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر تبصرہ کرتے رہے، ان کی خوبیاں وکمالات بیان کرتے رہے، احقر نے بعض احباب سے عرض کیا کہ یہ حالات وواقعات، یہ کمالات ومناقب بیان کرکے لوگ پھر بھول جاتے ہیں اور بالخصوص ہمارے اس علاقے جنوبی ہند کا خاصہ ہے کہ اپنے علماء ومشائخ، اوران کے کارناموں کو فراموش کردیا کرتے ہیں، اس لئے مولانا کا مختصر تذکرہ لکھدیا جائے اور یہ بعد والوں کے لئے اسوہ ونمونہ بن جائے تو خوب ہوگا۔

میرے عزیز مولوی محمد خالد صاحب (استاذ جامعہ مسیح العلوم) نے میرے دل کی اس آواز پر لبیک کہا اور یہ مختصر تذکرہ قید تحریر میں لاکر مولانا کے تلامذہ واحباء کے لئے تسلی کا ایک سامان کردیا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اوران کی خدمات کو شرف قبول بخشے، اوران کے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء کرے۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد شعیب اللہ خان (صاحب)

﴿تقریظ﴾

امیر شریعت حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب باقوی دامت برکاتہم

(مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم سبیل الرشاد، بنگلور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت مرحم والا ہے۔رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام۔

یہ معلوم کر کے اطمینان بھی ہوااور انشراح بھی کہ مولانا محمد خالد خان قاسمی ، مدرس جامعہ مسیح العلوم، بنگلور اپنے استاذ مولانا اسلم اللہ خان رشادی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔

زمانہ اعترافِ خدمت اوراحسان شناسی کی خوبصورت منزلوں سے گزر کر احسان ناشناسی اور محسن کشی کی مکروہ ومسموم گڈھے میں گر چکا ہے۔ایسے میں یہ خبر یقیناً فرحت افزا ہونی ہی چاہئے کہ ایک شاگرد اپنے استاذِ محترم کا ذکر خیر کرنا چاہتا ہے۔

عزیز محترم مولانا اسلم اللہ خان صاحب دار العلوم سبیل الرشاد کے فارغ التحصیل جید عالم دین تھے،حافظ قرآن بھی تھے اور قاری خوش الحان بھی؛موصوف نے فراغت کے بعد درس وتدریس کی خدمت کا انتخاب کیا اور امیر شریعت حضرت علامہ مولانا ابوالسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی دار العلوم صدیقیہ میسور میں بحیثیت

مدرس پانچ سال گزارے۔ایک مختصر سے وقفے کے بعد جامعہ مسیح العلوم بنگلور سے منسلک ہوئے تو تاحیات درس وتدریس میں لگے رہے۔طلبہ ان کے طرز افہام وتفہیم سے مطمئن رہتے تھے، یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

چند ہی دن پیشتر موصوف دارالعلوم سبیل الرشاد تشریف لاکر کچھ ایسے حقائق کا انکشاف کر گئے، جس سے اندازہ ہوا کہ وہ دارالعلوم سبیل الرشاد سے اور مجھ ناچیز سے بڑا اخلوص رکھتے تھے۔

اچانک ان کے انتقال کی خبر سے نہایت صدمہ ہوا، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کی خاموش خدمات کو قبول فرمائے، انہیں اعلی درجات عطا کرے اور ان کے اہل خانہ کو جن میں اہلیہ محترمہ اور چار بچیاں ہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

دارالعلوم سبیل الرشاد میں قرآن خوانی ہوئی، اور مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔

(حضرت مولانا مفتی) اشرف سعودی (صاحب)

۱۸/۳/۱۴۳۲ مطابق ۲۲/۲/۲۰۱۱

تقریظ

حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب دامت برکاتہم
(بانی ومہتمم جامعہ انعام القرآن مسجد عائشہ، بنگلور)

''نقوش اسلم'' کو مرتب کر کے مولانا جاوید خان قاسمی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور نے اپنے استاذ مرحوم کو بہترین پیرائے میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ نقوش کے نام سے کتاب میں مرحوم کی جو خصوصیات لکھی گئی ہیں وہ سب مبنی بر حقیقت ہیں، اور وہ سب ان کے نقوش راہ ہیں، جن پر ان کے تلامذہ اور منتسبین کو چلنا چاہئے۔

محترم مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے کہنے پر میں نے بھی مولانا مرحوم سے متعلق اپنے تأثرات رسالہ کے لئے پیش کر دئے ہیں، جو شامل اشاعت ہیں۔

دعا ہے کہ خدا مولانا جاوید کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مرحوم کی روح کے لئے مسرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(حضرت مولانا قاری) انعام الحق قاسمی (صاحب)

جامعہ انعام القرآن مسجد عائشہ

شیواجی نگر بنگلور، ۵۱

عرض مرتب

استاذ محترم حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحبؒ کے انتقال پرُ ملال کے بعد احقر نے حضرت والاؒ سے متعلق چند نقوش، ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں لکھ کر استاذی وشیخی حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیے ۔اور دیگر حضرات اساتذہ واصدقاء بھی اپنے اپنے تأثرات مختلف اوقات میں حضرت اقدس کے سامنے زبانی طور پر پیش کرتے رہے، اس پر حضرت اقدس نے احقر کو حکم فرمایا کہ حضرت والاؒ کے ان نقوش کو مرتب کروں۔ لہذا اس کے اصل محرک آپ ہی ہیں، حضرت اقدس نے اپنی اعلی ظرفی سے اس رسالہ کا انتساب احقر کی جانب محض اس لئے فرمادیا ہے کہ اس کی ترتیب کا کام خوش قسمتی سے اس کے حصہ میں آیا، ورنہ اس کام کی تکمیل میں جامعہ کے بیشتر افراد اور خصوصا حضرت اقدس کا حصہ رہا ہے۔

اس کی ترتیب کے دوران حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحبؒ کی اپنی ''خود نوشت حیات'' بھی دستیاب ہوئی، اس رسالہ کی ترتیب میں اس سے بھی مدد لی گئی ہے اور جن حضرات نے اپنے تأثرات پیش کیے، ان کو مختلف عناوین کے تحت ان حضرات کے نام کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ ان نقوش کے ساتھ حضرت والا کی زندگی کا ایک سوانحی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

تکمیل کے بعد حضرت اقدس نے اس رسالہ کو از اول تا آخر دیکھا، بعض مقامات پر اصلاح فرمائی اور اپنے تأثرات سے بھی نوازا، جو اس میں شامل ہیں اور ابتداء میں تائیدی کلمات بھی تحریر فرمائے، جس سے یہ رسالہ مستند ہو گیا ہے۔ تاہم

اس میں کسی بھی طرح کی کوئی خامی نظر آئے، تو حضرت مرحوم یا حضرت اقدس کے بجائے اس کا انتساب احقر ہی کی جانب ہونا چاہئے۔

اس کی تکمیل کے بعد حضرت اقدس کی خواہش ہوئی کہ اس رسالہ پر حضرت مرحوم کے اساتذہ میں سے بالخصوص امیر شریعت حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم سبیل الرشاد (جن سے حضرت مولانا مرحوم کو بڑا گہرا قلبی تعلق رہا) اور حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب دامت برکاتہم بانی ومہتمم جامعہ انعام القرآن مسجد عائشہ، بنگلور) کی اس پر نظر ہو جائے اور ان حضرات سے تائیدی کلمات بھی لکھوائے جائیں۔ چنانچہ مذکورہ دونوں حضرات کی خدمت میں کتاب پیش کی گئی اور ان بزرگوں نے اس کو ملاحظہ فرما کر تقریظ بھی عنایت فرمائی۔ ہم ان حضرات کے ممنون ہیں کہ ان حضرات نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس رسالہ کو دیکھا اور تائیدی کلمات سے نوازا۔

جب اس کی اشاعت کا نمبر آیا تو سب سے پہلے حضرت اقدس نے اس کے لئے بڑی رقم عطاء فرمائی، پھر حضرت اقدس ہی کی تجویز سے جامعہ کے بعض اساتذہ اور حضرت مرحوم کے بعض شاگردوں نے (جو اس وقت مختلف دینی، علمی وملی خدمات میں مصروف ہیں) بصد مسرت شرکت کی۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اِس کی اشاعت میں شریک حضرات کی شرکت کو قبول فرما کر اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں۔ آمین

۲۰/ربیع الاول/ ۱۴۳۲

محمد خالد خان قاسمی عرف جاوید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اس کائناتِ رنگ و بو میں روزِ اول ہی سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ کوئی جنم لیتا ہے تو کوئی موت کے حوالہ ہو جاتا ہے، کوئی ماں کے پیٹ سے ماں کی گود میں آتا ہے، تو کوئی دنیا کے پیٹ سے قبر کی گود کے حوالہ ہو جاتا ہے، ہر آنے والا روتے ہوئے آتا ہے اور اسی کو اس کی زندگی کی علامت بھی قرار دیا جاتا ہے اور اس کے ماں، باپ، بھائی، بہن اور دوسرے متعلقین خوشیاں مناتے اور مٹھائی تقسیم کرتے ہیں۔ یہ بات ہر آنے والے کے ساتھ کیفیت وکمیت کے تفاوت کے ساتھ پیش آتی ہے، مگر جب جانے کا وقت آتا ہے تو اس وقت سب کی حالت یکساں نہیں ہوتی، بلکہ جانے والے تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو دنیا میں آئے اور انہوں نے کچھ نہیں کیا، دوسرے وہ جنہوں نے لوگوں کو نقصان پہنچایا اور طرح طرح کی برائیوں، گندگیوں وغیرہ میں مبتلا رہے، لوگوں کو ستاتے اور تکلیف دیتے رہے، تیسرے وہ لوگ ہیں: جن کا وجود دنیا کے لئے سراسر رحمت، سراسر نفع بخش اور باعث سعادت ہوتا ہے۔

لوگوں کی ایک بڑی تعداد پہلی قسم کی ہوتی ہے، جن کے آنے سے نہ کچھ خاص فائدہ ہوتا ہے، نہ ہی کچھ خاص نقصان، ان کے دنیا سے جانے سے نہ خوشی ہوتی ہے، نہ کچھ خاص غم، دوسری قسم کے لوگ ظاہر ہے کہ جن کا وجود دنیا کے لئے سراسر نقصان ہی نقصان، مصیبت ہی مصیبت ہو، ایسے لوگوں کے دنیا سے جانے سے کسی کو غم تو نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات خوشی ہوتی ہے کہ ایک مصیبت ٹل گئی، اور تیسری قسم کے لوگ جن کا وجود دنیا کے لئے رحمت ہی رحمت ہوتا ہے، ان کے جانے سے دنیا میں

ایک خلاء پیدا ہوجاتا ہے، ہر انسان بلکہ ہر مخلوق اس کی جدائی سے غمگین، اداس اور سوگ وار ہوتی ہے، آسمان وزمین ،درودیوار، جانور وحشرات الارض، الغرض حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ کائنات کا ذرہ ذرہ روتا اور سوگ مناتا ہے، ہر طرف ایک سراسیمگی اور سناٹا چھا جاتا ہے، کچھ دیر کے لئے ذہن اس حادثہ کے قبول کرنے میں تردد اور شش وپنج میں مبتلا ہوجاتا ہے،لیکن بالآخر طوعاً وکرہاً اس کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے اور آخری دیدار کرکے روتے ،غموں سے چور ورنجو، تقدیر کے فیصلہ سے مجبور ہوکر، اس کے جسم کو مٹی کے حوالے کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب ایسے لوگ دنیا سے جاتے ہیں جنھوں نے اپنے رب کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لئے اطاعت، عبادت اور ریاضت میں اپنی زندگی گذاری، تو وہ اپنے رب سے ملاقات کے لئے بے قراری وبے صبری کے ساتھ خوش وخرم، شاداں و فرحاں، ہنستے ،مسکراتے اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن پر کسی عربی شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے:

وَلَدَتکَ اُمُّکَ یَا ابْنَ آدَمَ بَاکِیًا
وَالنَّاسُ حَوْلَکَ یَضْحَکُوْنَ سُرُوْرًا
فَاعْمَلْ لِنَفْسِکَ لِتَکُوْنَ اِذَا بَکَوْا
یَوْمَ مَوْتِکَ ضَاحِکًا مَسْرُوْرًا

(ترجمہ) اے ابن آدم! تجھے جب تیری ماں نے جنم دیا، تو تو رورہا تھا اور تیرے آس پاس لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے، پس تو اب اپنے لئے ایسے عمل کرکہ تیری موت کے دن، جب سب روہے رہوں تو تو خوش اور ہنستا ہوا ہو۔

ایسے ہی نیک بخت وخوش قسمت لوگوں میں سے استاذ محترم جامع کمالات

علمیہ وعملیہ حضرت مولانا محمد اسلم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ (ناظم تعلیمات واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) کی ذات اقدس ہے۔جن کا سانحہ ارتحال چند دنوں قبل بروز منگل بتاریخ ۷؍محرم الحرام مطابق ۱۳؍ڈسمبر پیش آیا۔

حضرت والا کی ذات اقدس ایک سنجیدہ، باوقار، غیور، خوددار، خاموش مزاج، فعال، تصنعات وتکلفات سے دور، بے حد سادہ مزاج، خوداعتماد، بلند حوصلہ، تقوی واحتیاط، خوف وخشیت خداوندی، خشوع وخضوع، انابت الی اللہ اور محبت الٰہی ؛ جیسی بے شمار صفات حمیدہ وحسنہ سے معمور ہونے کے ساتھ ساتھ ،علوم نبوت کی حقیقی وارث اور امین بھی تھی جنہیں اللہ تعالی نے متعدد علوم آلیہ وعالیہ میں دست رسی اور مہارت عطا فرمائی تھی۔

بلاشبہ ایسے جامع کمالات وجود کا رحلت کر جانا، امت مسلمہ کیلئے عموما اور اراکین واساتذہ وطلبۂ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم کے لئے خصوصا ایک عظیم ودردناک سانحہ ہے۔جس پر جس قدر بھی رنج ودکھ ہو کم ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مدت میں ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

اس مختصر رسالہ میں حضرت والا کے حالات زندگی، اوصاف حمیدہ اور کمالات علمیہ وعملیہ کا ایک مجمل خاکہ ونقشہ، پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نقوش حیات

حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحبؒ

ولادت اور خاندانی حالات

آپ کی ولادت، شہر بنگلور کے قدیم اور مشہور محلّہ بیدواڑی میں نومبر ۱۹۶۲ء کو اسی گھر میں ہوئی جہاں سے آپ کا جنازہ اٹھا۔آپ کے والدماجد کا نام جناب ابراہیم خان صاحب تھا۔آپ خاندانی طور پر بید برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔اور محلّہ بیدواڑی بھی انہیں اہل بید کی مناسبت سے بیدواڑی کہلاتا ہے۔بید برادری کے متعلق حضرت والا ہی نے اپنی ''خودنوشت حیات'' میں لکھا ہے کہ:

''بید برادری کے بارے میں، تاریخی اعتبار سے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے، جس سے اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکے۔یہ بات مشہور ہے کہ یہ برادری ایک زمانے میں اسلامی لشکر میں داخل تھی، سکندرلودھی کے ساتھ، پانی پت کی مشہور لڑائی میں شریک تھی، جب سکندر لودھی کو ہزیمت اٹھانی پڑی ،تو پورے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی، اکثر جگہوں میں اس نے اپنی شناخت کھودی اور مقامی آبادیوں میں گھل مل گئی تو اپنا امتیاز کھودیا۔آج پتہ لگانا مشکل ہے کہ کن کن مقامات میں یہ برادری آج موجود ہے، ویسے چند شہروں میں آج بھی اس کا پتہ چلتا ہے جن

میں سے مشہور بھوپال، حیدرآباد وغیرہ خاص کر مہاراشٹرا صوبہ کا اکولہ شہر مشہور ہے، سننے میں آیا کہ وہاں برادری کی حفاظت کا خاص نظم ہے ،ورنہ اکثر جگہوں میں برادری اپنا تشخص وامتیاز کھو چکی ہے، ویسے ہندوستان اَکالُ الأمم مشہور ہے اسی لئے یہ عین قرین قیاس ہے۔‘‘

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اب تک اہل بید (بنگلور) میں سے تین حضرات کوعلم دین کی دولت سے نوازااور تینوں حضرات جید علماء بنے ،ایک: حضرت مولانا محمد یوسف شرقی صاحب قاسمیؒ ہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ:’’یہ بڑے جیدوبا استعداد عالم تھے اور علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے شاگردوں میں سے تھے اور کتابوں کے بڑے رسیا تھے۔آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کی بہت ساری کتابیں جمع فرمائی تھیں، ایک دفعہ خود آپ نے فرمایا تھا کہ: میں نے شاہ صاحب کے درس میں جتنی کتابوں کے نام سنے تھے ،کوشش کر کے اکثر کتابیں جمع کر لی ہیں۔‘‘

دوسرے: استاذ محترم حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ ہیں، جن کا یہ تذکرہ ہے۔تیسرے: ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی شخصیت ہے، جو اس وقت حضرت تھانوی قدس سرہ کے طرز پر مختلف ومتنوع دینی ،علمی اور ملی خدمات میں مصروف ہیں اور آپ کی خدمات سے ایک خلق مستفید ہو رہی ہے۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ حضرت والا کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

الغرض تذکرہ ہو رہا تھا حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحب کا۔آپ کے والد صاحب ایک تاجر تھے۔ محلّہ کے سب سے پہلے حاجی بھی ہیں اور ایک زمانے میں

جمعیت بید (محلّہ بیدواڑی بنگلور) کے نائب صدر رہے، آپ ابھی اپنی عمر کی چار ہی منزلیں طے کر پائے تھے کہ آپ کے والد ماجد ۱۷/فروری/۱۹۶۷ء میں انتقال کر گئے اور آپ نے یتیمی کی زندگی بسر کرنی شروع کی۔

ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو رواج کے مطابق اسکول میں داخلہ لیا، اس وقت علاقے میں مولانا عبد القیوم صاحبؒ کا قائم کردہ اسکول بنام ''مدرسہ تعلیم الدین'' مشہور تھا اور اس میں اس زمانے کے بہت سے حضرات نے تعلیم پائی ہے۔ آپ کا اس میں داخلہ کیا گیا۔ اس اسکول میں اردو اور انگریزی کے ساتھ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم کا بھی معقول انتظام تھا، آپ نے اسکول میں چوتھی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی، چوتھی جماعت کے دوران آپ کو حفظ قرآن کا شدید داعیہ پیدا ہوا اور کسی مدرسہ میں داخلہ کا مسئلہ تھا، والد ماجد کا چونکہ پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کے خاندان کا کوئی فرد اس جانب توجہ دے، مگر دینی تعلیم سے خاندان کی بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ کوئی اس کام کے لئے تیار نہ ہوا۔ مگر

حفاظت جس سفینہ کی، انہیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک، اسے خود لا کے، طوفاں چھوڑ جاتا ہے

بالآخر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ خود آٹھ یا نو سال کی کم سنی میں شہر کے مشہور قاری حضرت مولانا انعام الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے شوق کا اظہار فرمایا، تو حضرت والا نے انتہائی خوشی کے ساتھ اپنے مدرسہ ضیاء القرآن، واقع مسجد بیوپاریاں معسکر بنگلور میں داخلہ فرمالیا اور خود آپ کے استاذ قاری صاحب

کے مطابق صرف دوسال میں مکمل قرآن مجید حفظ کرلیااور ۱۹۷۴ء میں مہتمم دارالعلوم دیوبندحکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمدطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست بابرکت سے آپ کی دستار بندی عمل میں آئی۔ اس جلسہ کی صدارت امیر شریعت حضرت علامہ ابوالسعو داحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

درسیات کی تکمیل

حفظ قرآن کی تکمیل کے بعدحضرت قاری صاحب نے آپ کی ذکاوت، فطانت،قوت حفظ اورشوق علم کی وجہ سے یہ مناسب سمجھا کہ آپ عالمیت میں داخلہ لیں،اس کے لئے قاری صاحب نے آپ کی والدہ ماجدہ سے اس خواہش کا اظہار فرمایااوراجازت چاہی کہ میں ان کوعالمیت کے لئے کسی مدرسہ میں داخل کرنا چاہتا ہوں،آپ کی والدہ نے بخوشی اس کی اجازت دی،تو قاری صاحب نے بنگلور کی عظیم وپہلی دینی درسگاہ ’’دارالعلوم سبیل الرشاد‘‘ میں آپ کا داخلہ کروادیا۔آپ نے وہاں فارسی سےلیکرعالمیت تک کی تعلیم حاصل کی،آپ اپنی جماعت کے ہونہار طلبہ میں سے شمار ہوتے تھےاور بڑے شوق وذوق اور بڑی لگن سے پڑھتے تھےاور ہمیشہ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے،بانی دارالعلوم سبیل الرشاد حضرت علامہ ابوالسعو داحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا بھی آپ کوشرف حاصل ہواہے،آپ کوحضرت والا سے گہرا تعلق تھااوردرس میں اوردوسرے موقعوں پر آپ کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے، نیز علامہ کےآپ محبوب نظر تھے۔

آپ اپنے دیگراساتذہ کا بھی والہانہ عاشقانہ تذکرہ فرماتے تھےاوران سے انتہائی محبت کرتے تھےاوران کواپنا مشفق ومحسن سمجھتے تھے۔آپ نے حضرت علامہ

ابوالسعود احمد صاحبؒ کے علاوہ، ان حضرات سے بھی پڑھا اور استفادہ فرمایا: استاذ سخن حضرت عبدالسلام کمالی صاحبؒ، ان سے آپ نے اکثر فارسی کی کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا پی محمد میران صاحبؒ، حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ، امیر شریعت حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب، حضرت مولانا سیف الدین صاحب، حضرت مولانا صغیر احمد صاحب دامت برکاتہم۔

دارالعلوم سبیل الرشاد سے آپ کی فراغت ۱۹۸۲ء میں ہوئی، اس کے بعد آپ نے ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھنے کا ارادہ فرمایا اور عازم سفر ہوئے، آپ کے پہنچنے تک داخلے بند ہو چکے تھے، بڑی مشکل سے داخلہ ہوا، وہاں کا موسم باوجودیکہ یہاں سے کافی مختلف ہے آپ کے لئے وہاں کی آب و ہوا راس آگئی اور آپ ہمہ تن حصول علم میں مشغول ہوگئے اور ۱۹۸۳ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

طالب علمی کے حالات ایک رفیق درس کی زبانی

ہم نے حضرت والا کی طالب علمی کے حالات کے لئے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم (جو حضرت والا کے رفیق درس ہیں) سے رجوع کیا، تو آپ نے ایک بہترین مضمون ہی لکھ بھیجا۔ اس میں سے جو حصہ حضرت والا کی طالب علمی سے متعلق تھا، یہاں درج کیا جا رہا ہے اور بقیہ دوسری جگہ، آپ حضرت والا کے شعبہ حفظ کے حالات یوں لکھتے ہیں:

''مولانا اسلم اللہ خان صاحب رشادی قاسمی نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ سے تعلق غالباً ۱۹۶۸ سے ہے۔ جب ان کا داخلہ مسجد بیوپاریاں کے شعبہ حفظ میں حضرت

الاستاذ الحاج القاری المقری انعام الحق صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ وجلاء صفاتہ کے درس گاہ میں ہوا، ایک ہفتہ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ انھوں نے حضرت قاری صاحب قبلہ کے دل میں اپنے لئے ایک خاص مقام بنالیا۔ سبق سنانے میں سبقت، پارہ سنانے میں پارہ صفت اور آموختہ میں آسودگی نے دیگر طلبہ میں رشک وحسد کا جذبہ پیدا کردیا۔‘‘

’’دارالعلوم سبیل الرشاد‘‘ میں طالب علمی کے وقت آپ کے اوصاف حمیدہ ، پڑھنے میں محنت وجد جہد، تنافس وتسابق اور اساتذہ کی نظر میں آپ کی محبوبیت کو حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب یوں بیان فرماتے ہیں:

’’دوسال بعد جب جماعت چہارم ہی میں (حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا) داخل ہوا تو مولانا کی معیت درس حاصل ہوئی۔ جماعت چہارم میں مولانا کے ساتھ مفتی سید تاج الدین صاحب میسور، مولانا ایوب احمد صاحب کڑپہ، مولانا منظور حسین صاحب فیجی وغیرہ کا باہمی تنافس قابل رشک بھی تھا اور قابل ذکر بھی تھا۔ یہ وہ جماعت تھی جو اکثر اساتذہ کے یہاں محبوب تھی، بعض اساتذہ مجموعی طور پر جماعت کو چاہتے ،تو بعض کسی خاص ذہین، فطین، ذی استعداد طالب علم کی وجہ سے، بعض اساتذہ کے پاس اس جماعت کی محبوبیت محض مولانا اسلم اللہ خان صاحب کی وجہ سے تھی ۔مولانا کی درس میں پابندی دوسروں کے لئے باعث ندامت تھی، پوچھا جاتا کہ وہ بھی بنگلور کے ہیں اور۔۔۔

بعض اساتذہ کی ترغیب پر راقم الحروف اپنے ہم جماعت ساتھیوں کے علاوہ دوسری جماعت کے طلبہ کے ساتھ حلقہ تکرار کا اہتمام کرتا ،لیکن مولانا تکرار پر دیگر اساتذہ کی ترغیب پر مطالعہ کو ترجیح دیتے کثرت مطالعہ، کم گوئی، کھیل کود سے طبعی

دوری، دوست احباب کی کمی، غیر درسی مشاغل سے بُعد، مولانا کا دور طالب علمی میں خاصہ رہا۔

فن تقریر وخطابت میں عدم دلچسپی کے باوجود چھوٹی جماعت کے طلبہ کوتقریری مواد فراہم کرنا اور اسلوب خطابت سے روشناس کرانا بھی مشغلہ رہا۔عجلت لسانی کے باوجود عبارت پڑھنے میں مہارت اور اظہار اعراب کے خصوصی انداز نے اساتذہ کا بالخصوص حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم کا دل موہ لیا تھا۔

ہدایہ ثالث کے بیع بالمیتۃ کے ترجمہ میں بچھڑنے کے بعد امام بخاری کے بلا ترجمہ باب کا بہترین ترجمہ قائم کر کے بدلہ لیتے ہوئے فتح کی مسکراہٹ ابھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

جماعت ہفتم سے فراغت کے بعد دار العلوم سبیل الرشاد کی تدریسی خدمات کے لئے مولانا کے ساتھ راقم الحروف کا بھی انتخاب ہوا تھا۔حضرت العلام رئیس العلماء امیر شریعت علیہ الرحمۃ کے اس حکم سے مولانا نے دار العلوم دیوبند کے دورہ حدیث کی آرزو کی بنیاد پر اور راقم الحروف نے بعض دیگر وجوہات کی بنیاد پر، معذرت خواہی کر لی۔مولانا کو بعض حضرات نے ندوۃ العلماء کی اور بعض نے عرب جانے کی بھی ترغیب بقول مولاناؒ: ''ان کنت ذاهبا فاهب الی العرب'' کے جملے سے دی۔لیکن مولانا نے دار العلوم دیوبند کے دورہ حدیث کو فوقیت دیتے ہوئے نسبت قاسمی سے منسوب ہونے کو ترجیح دی اور اس پر انہیں مسرت بھی تھی اور ناز بھی تھا۔''

تدریسی خدمات

دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد امیر شریعت حضرت

علامہ ابوالسعود احمد صاحبؒ کی خواہش تھی، کہ آپ دارالعلوم سبیل الرشاد میں پڑھائیں، مگر دارالعلوم صدیقیہ میسور والوں کے اصرار پر حضرت امیر شریعت علیہ الرحمہ نے وہاں بھیج دیا، اس سال وہاں مشکوۃ کی جماعت شروع ہورہی تھی، امیر شریعت اور حضرت مولانا نیر ربانی صاحبؒ اور دیگر ذمہ داروں کے مشورہ سے آپ کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے پیش نظر مشکوۃ شریف آپ کے لئے تجویز کی گئی، جس پر بعض قدیم مدرسین نے اختلاف رائے کا اظہار کیا، جس کی وجہ سے اس سال آپ کے ذمہ مختصر المعانی اور شرح جامی وغیرہ کتابیں آئیں، پھر دو سال بعد جب وہاں بخاری شریف بھی شروع ہوئی تو امیر شریعت اور دیگر ذمہ داروں کے مشورہ سے بخاری کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا تو آپ نے باصرار کہا کہ بخاری میرے ذمہ نہ کی جائے مگر بخاری جلد دوم آپ ہی کے ذمہ میں آئی اور آپ نے اپنی خداداد استعداد اور صلاحیتوں کے ساتھ بخاری اور دیگر متعلقہ کتابیں پڑھائیں۔آپ کے درس سے طلبہ محظوظ و مطمئن ہوتے تھے اور آپ باوجود جواں سالی کے وہاں کے بڑے اور باکمال اساتذہ میں شمار ہونے لگے۔

ایک مرتبہ قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں دارالعلوم سبیل الرشاد میں تربیتِ قضاء کیمپ لگا، تو آپ کو بھی اس میں شرکت کی خواہش ہوئی، آپ نے مدرسہ کے مہتمم صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ اس میں شرکت کریں، مگر ذمہ دار حضرات نے چونکہ دوسرے دو حضرات کو مدرسہ کی جانب سے مقرر کیا ہے، اس لئے آپ ذاتی چھٹی لے کر شرکت کریں۔ چنانچہ آپ نے مہتمم صاحب سے رخصت لی اور اس میں شرکت کی۔اس پر وہاں کے سکریٹری نے ایک چھٹی میں یہ لکھ کر سبکدوش کردیا کہ ”آپ مدرسہ والوں کے منع

کرنے کے باوجود بغیر اجازت کیمپ میں شریک ہوئے اس لئے سرپرست مدرسہ حضرت ابوالسعود (علیہ الرحمۃ) کی اجازت سے آپ کو سبکدوش کیا جاتا ہے۔''
حضرت والا فرماتے تھے: ''یہ ایک پرزہ تھا یا جھوٹ کا پلندہ تھا جس میں پورے کا پورا جھوٹ تھا، اس حادثہ نے ذہن ودماغ کی چولیں ہلا ڈالیں''۔ الغرض اس طرح وہاں پانچ سالہ خدمت کا صلہ ملا کہ آپ کے ساتھ یہ بدتمیزی کی گئی۔ اس کے بعد آپ نے سکریٹری کے نام ایک خط بھی لکھا اور دماغ ٹھیک کیا۔ وہاں سے جو تنخواہ ملتی تھی وہ بالکل معمولی تھی جو بنگلور میسور کی آمد ورفت پر ہی تقریبا ختم ہو جاتی تھی، لہذا آپ کو جو تکلیف پہنچی وہ اس وجہ سے نہیں تھی کہ اب معاش کا کیا ہوگا، بلکہ بلا وجہ ایک دینی خدمت سے ہٹانے اور اس پر ہوئی تھی کہ افسوس مدارس اسلامیہ کس قماش کے لوگوں کے ہاتھ میں آگئے، جو اپنی انا کے لئے مدارس میں حق ناحق جو جی چاہے کرتے ہیں اور خدا کے پاس جواب دہی کا کچھ احساس تک ان کو نہیں ہوتا۔

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم میں تدریسی خدمات

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد ہی آپ کا رجحان تجارت کی طرف تھا۔ مگر حضرت امیر شریعت کے کہنے پر آپ نے دارالعلوم صدیقیہ میں تدریس قبول فرمائی تھی اب جب کہ وہاں آپ کے دل کو خوب ٹھیس پہنچی تھی، تو آپ نے تجارت کا رخ فرمایا اور تجارت میں لگے رہے۔ ایک عرصہ کے بعد آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب دامت برکاتہم کی تحریک پر کہ آپ کسی مدرسہ میں کچھ پڑھا بھی لیا کریں۔ آپ نے جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم میں ایک دو کتابیں پڑھانا شروع کیا اس وقت مدرسہ سے آپ کوئی تنخواہ بھی نہیں لیتے تھے اور جب تک

جامعہ شہر کے اندر رہا یہی سلسلہ جاری رہا اور جب جامعہ شہر سے باہر ہسور بنڈے باگلور منتقل ہو گیا تو آپ نے چند دنوں تک پڑھانا چھوڑ دیا، پھر چند مہینوں کے بعد ہمارے حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی تحریک پر آپ نے جامعہ کی مستقل مدرسی قبول فرمائی۔ ابتدا میں آپ نے جامعہ میں تدریس کے ساتھ خارجی اوقات میں تجارت بھی جاری رکھی، پھر چند دنوں کے بعد اس کو بھی ترک کر دیا اور محض تدریس ہی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس پر بڑی خوشی کا اظہار کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے مجھے دنیاوی لائن سے نکال کر مدرسہ ہی کی خدمت کے لئے قبول فرمایا۔

کمالات علمیہ

جامعہ میں آپ کی تدریسی خدمات بڑی وقیع رہیں، آپ ہر کتاب بڑی محنت اور تحقیق سے پڑھاتے تھے، جامعہ میں آپ کا درس بڑا ہی مقبول تھا، طلبہ آپ کے درس سے محظوظ، مستفید اور مطمئن ہوتے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو نحو، صرف، بلاغت، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ علوم میں اعلی صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ اپنے دروس میں تمام فنون سے بحث فرماتے تھے اور طلبہ کو اپنے افادات سے نوازتے تھے، آپ نے اپنے دور جامعہ میں تقریبا تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ سے متعلق کتابیں پڑھائی ہیں، فی الحال آپ سے متعلق جلالین، مشکوۃ، ہدایہ، مختصر المعانی، شرح عقائد اور مقامات حریری وغیرہ کتابیں تھیں۔ آپ ایک باکمال اور کامیاب مدرس تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا، چنانچہ آپ کو بیشتر علوم وفنون کی اہم اہم کتابیں ازبر تھیں، آپ وقتا فوقتا مختلف کتابوں کی عبارتیں بے تکلف

پڑھتے چلے جاتے تھے، اس وقت طلبہ حیران ہوکر آپ کا چہرہ تکا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر آپ کے مطالعہ میں مختلف علوم وفنون ہی کی کتابیں ہوا کرتی تھیں، منطق وفلسفہ سے بھی بہت تعلق تھا۔ چنانچہ ان فنون کی کئی کتابیں جن کے نام سے بھی لوگ ڈرتے ہیں آپ بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے علوم کا یہ عالم تھا کہ جو بھی موضوع چھڑ جاتا آپ اس پر اس انداز سے کلام فرماتے گویا تیاری کر کے آئے ہیں اور جب بولتے تو علوم کے سمندر بہاتے تھے۔ یہی حال آپ کی تحریرات کا بھی ہے کہ جب قلم پکڑتے تو قلم کو فرصت نہ ملتی تھی، مگر افسوس کہ آپ نے تصنیف وتالیف کا کام بہت دیر سے اپنی زندگی کے اخیر سالوں میں شروع کیا۔ ایسے ہی دستر خوان پر آپ ایسی مزاحی باتوں کو بھی علمی رنگ دیدیا کرتے تھے، آپ کی باتوں سے سب محظوظ اور متأثر ہوتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ: ایک مرتبہ جامعہ میں کوئی جلسہ تھا جلسہ جامعہ کے پرانے اور یادگار دفتر میں ہو رہا تھا جو ایک وسیع ہال تھا، اس جلسہ میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ شہر سے آئے ہوئے علماء بھی تھے، ایک مولانا نے تقریر کرتے ہوئے کوئی بات چھیڑی اور اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ کسی کتاب میں نہیں ہے، یہ یاد نہیں رہا کہ وہ کیا مسئلہ تھا۔ پھر خود انہوں نے سوال کیا یا موجودہ علماء کی طرف وہ متوجہ ہوئے۔ فوراً حضرت والا نے کسی متقدم عالم کا حوالہ دیا کہ انہوں نے فلاں کتاب میں یہ بات لکھی ہے۔

آپ اپنے اسباق میں کبھی اپنی آراء بھی بیان کرتے تھے مگر اس پر آپ کو کوئی اصرار نہیں ہوتا تھا، افسوس کہ حضرت والا کی یہ سب باتیں محفوظ نہ رکھی جاسکیں، ایک مرتبہ جلالین میں ﴿سَنَكْتُبُ مَاقَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ﴾ پر فرمایا کہ: ”یہاں سے

علماء نے رضاء بالکفر کفر کا مسئلہ مستنبط کیا ہے، اس طور پر کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ کے یہود نے تو انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا، مگر چونکہ اس کو فخر کے طور پر بیان کرتے تھے، اس وجہ سے اس کی نسبت ان کی طرف بھی کردی گئی اوران کو بھی اس کے گناہ کی سزا میں شریک کیا گیا۔ مزید فرمایا کہ یہاں پر مفسرین، یہودیوں کے آپ ﷺ کو زہر دینے اور چٹان گرانے کی کوشش کو بیان نہیں کرتے ہیں، اس کو بھی یہاں ذکر کرنا چاہئے، اس لئے کہ یہ بھی قتل ہی ہے۔''

آپ کے علمی کمالات کی گواہی

ہمارے حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

''مجھے یاد ہے کہ آپ جب دار العلوم صدیقیہ میں تدریس کرتے تھے ان دنوں جب بھی گھر آتے تو ضرور میرے پاس بھی تشریف لاتے تھے اور مختلف عناوین پر ہم دونوں میں گفتگو کا سلسلہ چل پڑتا اور تفسیر یا حدیث یا فقہ یا تاریخ کا کوئی نہ کوئی موضوع ہمارے زیر بحث آتا اور گھنٹوں یہ سلسلہ جاری رہتا۔ میں محسوس کرتا کہ مولانا کی نظر مختلف علوم وفنون پر اچھی خاصی ہے اور بہت سی وہ کتابیں جو عام طور پر آج کل کے علماء نام کی حد تک بھی نہیں جانتے، مولانا ان کے بھی مطالعہ کے عادی ہیں ۔مولانا کو احقر سے بھی اس سلسلہ میں ایک مناسبت رہی اور بعد بھی اکثر و بیشتر ایسا ہوتا کہ جب بھی کوئی بات وہ قابل بحث محسوس کرتے تو احقر سے اس سلسلہ میں بحث کرتے اور سوال و جواب کا ایک لمبا سلسلہ ہم میں چلتا رہتا۔ اسی طرح مدرسہ کو آتے جاتے کار میں بھی عموما کوئی علمی بات زیر بحث آجاتی تھی۔ اور اب قریب میں ایسا ہوتا رہا کہ وہ جب صبح مدرسہ تشریف لاتے اور اس وقت ان کا اور میرا دونوں کا گھنٹا خالی تھا تو وہ عموما میرے پاس ہی بیٹھ جاتے اور کوئی مسئلہ زیر بحث آجاتا تھا۔ اس سلسلہ میں

ایک بات یہ بھی محسوس ہوئی کہ مولانا علمی موضوعات پر بحث تو کرتے مگر اپنی کسی بات یا تحقیق پر اصرار نہیں کرتے تھے، بلکہ اگر دوسرے کی رائے میں وزن دیکھتے تو قبول کر لیتے۔ چنانچہ متعدد مواقع پر انھوں نے اس طالب علم کی رائے کو اپنی رائے پر فوقیت دی اور بلا کسی جھجک کے قبول فرمایا۔''

❁ آپ کے کمالات علمیہ سے متعلق حضرت مولانا مفتی رفیق صاحب کا بیان ہے:

''حضرت جامع المعقول والمنقول تھے۔ اردو شروحات کے سخت خلاف تھے۔ تفسیر جلالین کے لئے روح المعانی اور مشکوۃ کے لئے مرقاۃ اور فتح الباری زیرِ مطالعہ رہتی تھی۔ ابن حجر عسقلانی کے بے حد مداح تھے۔ بلا مبالغہ اور الفاظ کے تلاطم میں بہے بغیر راہ اعتدال پر قائم رہتے ہوئے، یہ کہنے میں ذرا برابر تأمل نہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی اعلیٰ دار الحدیث کے شیخ الحدیث بننے کے مستحق تھے۔

حضرت سے کبھی کبھی کسی مسئلہ (فتوی) کے بارے میں معلوم کرتا تو فرماتے کہ مفتی تو آپ ہیں فتوی آپ دیں، احقر کا جواب ہوتا میں تو قانونی مفتی ہوں اور آپ حقیقی مفتی ہیں۔ بندہ ناچیز جب علمی مسائل میں حضرت والا سے رجوع ہوتا تو بلا تکلف ایک ساتھی کی طرح معاملہ فرماتے اور میں اس میں نے آپ کو بڑا ہی سنجیدہ پایا (یہ جملہ بڑا معنی خیز ہے جس کو ارباب علم و دانش سمجھ سکتے ہیں) حضرت مرحوم میرے علم دوست تھے۔ مطالعہ وغیرہ میں ہمیشہ منہمک ہوتے، حضرات اکابر و اسلاف خصوصا حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے بڑے مداح تھے۔ منقولات سے جس قدر تعلق تھا، معقولات سے بھی اسی قدر تعلق تھا، درسیات سے معقولات کے خارج کئے جانے پر بارہا افسوس کرتے تھے، نیز فن تجوید اور فارسی سے بہت لگاؤ تھا۔ حضرت ہی کی درخواست پر حضرت مہتمم

صاحب نے گلستاں کو جامعہ کے نصاب میں داخل فرمایا۔"

حافظ الیاس صاحب نے فرمایا کہ: "میں اکثر و بیشتر فقہی و علمی مسائل میں آپ سے رجوع کرتا تھا، آپ مجھے وہ مسئلہ مالہ وما علیہ کے ساتھ بیان فرماتے اور بر وقت کئی کتابوں کے حوالے دیتے کہ اس کتاب میں ایسا ہے اور اس کتاب میں ایسا ہے اور پھر دوسرے تیسرے دن کتاب لاکر بھی دکھاتے کہ دیکھو میں نے جو آپ سے بیان کیا تھا وہ یہاں موجود ہے۔

اسی طرح آپ کو ادب اور خصوصا فارسی ادب میں کافی مہارت تھی، اردو اور فارسی کے بے شمار اشعار زبان زد تھے، جب میں کوئی شعر یا اس کے معنی وغیرہ پوچھتا تو اشعار پڑھتے چلے جاتے اور اگر غلط ہوتا تو اس کی تصحیح فرماتے اور وہ شعر کس کتاب میں کہاں ہے سب بتا دیتے۔"

آپ ہمیشہ مطالعہ کتب میں مصروف رہتے تھے، حافظ احمد وحید صاحب کا بیان ہے: "حضرت علیہ الرحمۃ کا مطالعہ اور اس میں ان کا انہماک ویکسوئی دیکھ کر رشک آیا کرتا، واقعی آپ علم کی مشکل ترین گھاٹیوں کو عبور کرکے وہاں پہنچے تھے، جہاں پر علم اپنی شان، بان اور عظیم الشان نعمت ہونا ثابت کر رہا تھا، میں جب بھی آپ کی خدمت میں کچھ پوچھنے، کسی مشکل مقام کو سمجھنے کے لئے پہنچا بہت ہی مختصر وقت میں مطمئن کردیا جس سے حضرت کے وسعت مطالعہ اور استحضار کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔"

تحریری خدمات اور ان کا تعارف

ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس کے علاوہ آپ کا محبوب مشغلہ مطالعہ کتب اور عبادت وریاضت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ابتداء میں تحریری کاموں سے آپ کو کوئی

خاص دلچسپی نہیں رہی، راقم نے جامعہ کے طالب علمی کے دور میں بارہا گزارش کی کہ آپ کچھ تحریر فرمائیں تو آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ آج کل چونکہ مدارس سے منطق وفلسفہ کی کتابیں نکالی جارہی ہیں، حالانکہ درس نظامی کی کتابوں میں ان کی بہت سی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، جن کے جانے بغیر کتاب کماحقہ سمجھی نہیں جاسکتی، اس لئے ارادہ ہے کہ اس طرح کی ضروری اصطلاحات جمع کردوں مگر آپ کو اس کا موقع نہیں ملا، البتہ آپ نے اس کے علاوہ بہت سی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں، جو میرے سرسری جائزہ کے مطابق بارہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں، جن میں سے اکثر صفحات بڑے سائز یا متوسط سائز کے ہیں۔ یہاں ان کا ایک سرسری اور مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱- **برزخ کیا ھے**: اس میں آپ نے پانچ سو صفحات پر برزخ سے متعلق تمام تفصیلات جمع فرمائی ہیں۔ جو بڑی اہم کتاب ہے، یہ کتاب اور ضخیم ہوجاتی، حضرت والا نے ضخامت کے خوف سے قلم روک لیا اور بعض بحثیں چھوڑ دیں۔ کماسمعت منہ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۲- **نظام طهارت**: اس میں ۲۰۹ صفحات پر اسلام کے نظام طہارت پر انوکھے انداز میں کلام فرمایا ہے اور تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۳- **اسلامی معاشرت**: اس میں آپ نے نکاح، اس کے آداب اور اس میں ہونے والی خرافات اور میاں بیوی کے حقوق وغیرہ پر قرآن حدیث کی روشنی میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ یہ ۹۴ صفحات پر ہے۔

۴- **ٹوپی اسلامی شعار**: اس میں احادیث نبویہ، آثار صحابہ، فقہی عبارات و تشریحات علماء کی روشنی میں ٹوپی کے شعار اسلام ہونے کو ثابت کرنے کے ساتھ

ساتھ اس کی شرعی حیثیت کو واضح کیا ہے اور جو حضرات اس کا انکار کرتے ہیں اس کا مسکت جواب دیا ہے۔۷۰ صفحات پر ہے۔

۵-**اسلامی اخوت**: اس میں مسلمانوں کو آپس میں کس طرح رہنا چاہئے اور آپس میں ان کے کیا حقوق ہیں اس کو بیان کیا گیا ہے۔۶۴ صفحات پر ہے۔

۶-**اسلامی تہذیب**: یہ دراصل ٹوپی والے رسالہ کی تمہید تھی مگر آپ کا قلم چلتا رہا، یہاں تک کہ چالیس پچاس صفحات مغربی تہذیب پر لکھ دیا تو آپ نے اس کو الگ مضمون بنا دیا۔اس میں اسلامی تہذیب کیا ہے اس کی وضاحت کے ساتھ ساتھ انگریزی تہذیب پر نقد کیا ہے۔

۷- **مقام جبرائیل**: معراج کے واقعہ میں واعظین وغیرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پیچھے رہ گئے تھے، آپ نے اس میں اسی کی تحقیق احادیث اور تفاسیر کی روشنی میں فرمائی ہے۔۱۹ صفحات پر ہے۔

۸- **عیسائیت سے متعلق**: انجیل متی، لوقا، مرقس کے ہر باب میں سے متعدد آیات پر کلام کیا ہے اور اس کا جھول، باہم تعارض، یا اور کوئی بات ہو تو اس کو پیش کیا ہے۔اسکے علاوہ کئی عناوین پر کچھ کچھ لکھا ہے جیسے: مسئلہ صلیب کی حقیقت، حوارین بائبل اور قرآن کا تقابل، اصل انجیل اور موجودہ انجیلوں کی حقیقت وغیرہ پر، یہ بھی ادھورا اور منتشر ہے۔یہ پچاس سے زائد صفحات پر ہے۔

۹-**قیامت**: قیامت سے متعلق برزخ ہی کی طرح تفصیل سے لکھنے کا ارادہ تھا پہلے چالیس صفحات لکھ بھی دئے تھے مگر ایک کتاب کے انتظار میں تھے جو آپ نے مکہ سے اپنے ایک شاگرد سے منگوائی تھی، اس کے آنے کے بعد اسی پر لکھنے کا ارادہ تھا کہ سفر آخرت درپیش آ گیا۔

۱۰-**انسان اور زبان**:اس میں زبان کی آفات اوران سے حفاظت سے متعلق تفصیلات امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کو سامنے رکھ کر قلمبند فرمایا ہے۔۲۲ صفحات پر ہے۔

۱۱- **جسمانی اعضاء کا شرعی استعمال**:اس میں آپ نے بدن کے تمام اعضاء سے متعلقہ احکام لکھنا شروع فرمایا تھا اور سر، چہرہ کے احکام کے بعد آنکھ کے احکام شروع فرما کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۲- **اصول مجازات**:اس میں مجازات کے اصول وضوابط بیان کئے گئے ہیں یعنی جیسا جرم یا جیسی نیکی آدمی کو ویسی ہی سزا یا بدلہ ملتا ہے۔ یہ ۲۲ صفحات پر ہے۔

۱۳- **E - code کی شرعی حیثیت**: آج کل بازار میں بہت سی چیزوں کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان میں خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے جس سے لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں اس میں آپ نے انہیں اشیاء کی شرعی حیثیت پر کلام فرمایا ہے۔ یہ مضمون دارالعلوم دیوبند سے نکلنے والا ماہنامہ ’’دارالعلوم‘‘ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ یہ بڑے ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۴-**اسلام دورحاضر کے معیار پر**:اس میں آپ نے یہ بتانے کے لئے کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں کوئی جھول نہیں بلکہ وہ ہر زمانہ اور ہر جگہ قابل عمل ہے، یہ لکھا ہے کہ کسی مذہب کی بنیادی چار چیزیں ہوتی ہیں:اس مذہب کی کتاب، پیغمبر، خدا تک رسائی ،اس کی تعلیمات، پھر اس پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے صرف قرآن پر لکھا ہے۔ یہ بھی ادھورا اور ۱۳ صفحات پر ہے۔

۱۵۔**شیعہ کیوں مسلمان نہیں؟**: یہ ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے اس میں آپ نے شیعہ کے مسلمان نہ ہونے پر دلائل کے ساتھ تفصیل سے کلام فرمایا ہے۔ یہ مضمون عروج ہند میں حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

کے ایک طویل نوٹ وتمہید کے ساتھ شائع بھی ہوا ہے۔

۱۶-**استدراک**: ایک تحریر میں آپ نے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن کے ایک مقام کا استدراک لکھا ہے۔ یہ کل ۱۲ صفحات پر ہے۔

۱۷-**توریت میں تحریف ایک تازہ انکشاف**: توریت باوجود محرف ہونے کے اس میں نبی کریم ﷺ سے متعلق بہت سی باتیں ہیں انہیں میں سے ایک آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ کا تذکرہ ہے جس میں آپ کے ساتھ ہجرت کرنے والے صحابہ کی تعداد دس ہزار بتائی گئی ہے۔ عیسائیوں نے اس میں قریب ہی میں تحریفوں سے کام لیا ہے۔ حضرت والا نے اپنے پاس موجود نسخہ کو رکھ کر اس کی تحقیق کی ہے۔

۱۸-**جانور اور محارم کا پاس ولحاظ**: یہ چار صفحات پر ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ جانوروں میں بھی محارم کا پاس ولحاظ ہوتا ہے۔

۱۹-**دعائیں کب قبول ہوتی ہیں؟**: اس تحریر میں آپ نے دعاؤں کی قبولیت کے اوقات کے سلسلہ میں روایات جمع کی ہیں، اس پر اصل کام جو آپ کرنا چاہتے تھے وہ نہ کر سکے۔

۲۰-**خودنوشت سوانح**: اس میں آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے لیکر دارالعلوم صدیقیہ کی تدریس تک جستہ جستہ کچھ حالات لکھے ہیں، اس میں اپنے ذکر سے زیادہ اپنے اساتذہ کے تعلق سے اپنے تأثرات، جذبات اور ان کے حالات کو بیان فرمایا ہے اور آپ کے جو اساتذہ انتقال فرما گئے ان کے حالات لکھے ہیں اور جو حضرات باحیات ہیں ان کے صرف نام ذکر کر دئے ہیں۔ یہ ۳۸ صفحات پر ہے، اور مکمل بھی نہیں ہے۔

۲۱-**یوم الجمعہ**: ابھی قریب میں آپ نے جمعہ کے دن پر مفصل طور پر اس

کے فضائل ،اعمال وغیرہ پر لکھنے کے لئے ایک خاکہ بنالیا تھااور لکھنا بھی شروع کر کے سات صفحے لکھ بھی دئے تھے کہ رحلت فرما گئے۔

۲۲۔**امثال الحدیث**:احادیث میں جتنی امثال نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں ان کو جمع کر کے ترجمہ اور تشریح کا ارادہ تھا۔چنانچہ پچاس سے زائد امثال جمع بھی کی ہیں۔

۲۳۔**ملفوظات**:اس میں آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پر نام پیٹی کے ملفوظات کے لکھنے کا اہتمام فرمایا تھا۔

ان میں سے آپ کا ایک رسالہ جو ٹوپی پر ہے وہ ٹائپ بھی ہو چکا ہے۔انشاءاللہ آپ کی جملہ تحریرات حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں شائع ہوں گی۔ان تحریروں کے علاوہ آپ کے بہت سے ارادے تھے جو آپ کی کاپیوں کے دیکھنے سے سمجھ میں آتے ہیں۔آپ کا ایک ارادہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بھی تھا،چنانچہ ایک جگہ اس کا ایک ادھورا خاکہ بھی ہے، ایسے ہی آخرت پر تفصیل سے لکھنے کا تھا،اس کے لئے آپ نے پوری تیاری کر لی تھی،مگر تدبیر انسانی کی بے بسی پر تقدیر الٰہی کی قہاری غالب آگئی۔

دیگر خدمات

❁ جامعہ میں تدریس کے علاوہ آپ کی ایک خدمت یہ تھی کہ آپ شروع ہی سے جامعہ کے رکن اساسی رہے،درمیان میں کسی وجہ سے آپ نے رکنیت سے استعفی دیدیا تھا،اس پر حضرت مہتمم جامعہ نے آپ کو بزبان عربی ایک خط لکھا اور اپنا ارادہ بدلنے کی گذارش کی تو آپ نے دوبارہ اس کو قبول فرمایا اور تادم زیست مدرسہ

کی خدمت انجام دیتے رہے۔

۞ اس کے علاوہ گزشتہ سال آپ جامعہ کے باضابطہ ناظم تعلیمات مقرر ہوئے۔ چنانچہ آپ کی نظامت میں اخیر دن تک تعلیمی سرگرمیاں جاری رہیں، حتی کہ انتقال سے ایک دن قبل یعنی جامعہ کے آخری دن بھی آپ نے نائب ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی رفیق صاحب دامت برکاتہم سے اہم تعلیمی امور کے متعلق دیر تک گفتگو کی گویا جاتے جاتے اپنی ذمہ داری نبھا کر گئے۔

۞ جامعہ اور جمعیت بید کے اشتراک سے محلّہ بید واڑی میں قائم ''مجلس القضاء'' کے اہم ذمہ دار تھے اور آپ حضرت مہتمم جامعہ کے ساتھ فیصلوں میں شریک رہتے اور آپ کی غیر موجودگی میں بھی فیصلے کیا کرتے اور وہاں امت کے حالات دیکھ کر کڑھتے تھے۔

۞ آپ اپنی فراغت کے بعد سے تراویح میں مسلسل قرآن سناتے رہے اور صرف مسجد بید میں ۲۶ سال تراویح سنائی مگر کبھی آپ نے اس پر کوئی اجرت نہیں لی۔

۞ اسی طرح مسجد بید کے مکاتب کے بھی آپ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۲ء تک کل تیرہ سال ناظم رہے اور تعلیم بالغان کا شعبہ بھی آپ کی سرپرستی میں چلتا تھا، جس میں آپ خود بھی پڑھاتے تھے۔

اصلاحی تعلق اور بزرگوں سے وابستگی

آپ محض ایک خشک عالم نہیں تھے بلکہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو علم کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا، لہذا جہاں آپ علوم عقلیہ ونقلیہ میں ید طولی رکھتے تھے وہیں آپ ایک باعمل وخدا رسیدہ انسان تھے، اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی اور آخرت

کی فکر آپ پر مستولی رہتی تھی۔

یہاں پر حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب نے فرمایا کہ:

’’اسی فکر اصلاح کا نتیجہ تھا کہ آپ مجھ سے اس سلسلہ میں متعدد مواقع پر مشورہ کیا کہ میں کسی اللہ والے سے بیعت ہونا چاہتا ہوں، آپ مجھے مشورہ دیں؟ میں نے اولا ان کو مشورہ دیا تھا کہ آجکل بہت سے لوگوں کا رجحان حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی کی جانب ہے، اگر مناسبت ہو تو غور کر لیجئے مگر شاید مولانا کو اس سلسلہ میں شرح صدر نہیں ہوا، اور اس کی وجہ غالبا شیخ کی دوری تھی، اور یہ بات صحیح ہے کہ شیخ و مصلح کا قریب ہونا بھی ایک ضروری امر ہے، کیونکہ اصلاح محض ایک برکت کی چیز نہیں، جیسا کہ بہت سارے پیری مریدی کے کی لائن میں لگے ہوئے گمراہ لوگوں کا نظریہ ہے، اس لئے وہ لوگ محض داخل سلسلہ ہو جانے کو نجات کے لئے کافی سمجھ لیتے ہیں، یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، بلکہ اصلاح و تزکیہ تو ایک مسلسل مجاہدہ و شیخ کی رہنمائی و نگرانی میں رہ کر اپنے اخلاق و اعمال کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے۔ حضرت تھانویؒ نے کہا ہے کہ میں پہلے سمجھتا تھا کہ اصلاح کے لئے دور سے مکاتبت بھی کافی ہے مگر ایک طویل تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کافی نہیں بلکہ شیخ کی مصاحبت و معیت بھی لازم ہے۔ الغرض مولانا نے پھر ایک اور موقعہ پر مشورہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے علمی مزاج کے لحاظ سے مجھے یہ مناسب لگتا ہے کہ حضرت مولانا خلیل الرحمان سجاد ندوی صاحب کی طرف رجوع کریں، کیونکہ وہ بھی علمی شخصیت ہیں اور آپ بھی علمی شخصیت، مناسبت رہے گی اور اس سلسلہ میں مناسبت ہی اصل ہے۔ مگر آپ نے کوئی پیش قدمی ادھر بھی نہیں کی، اور وجہ وہی ہوگی کہ دوری و بعد کبھی مانع اصلاح بن جاتا ہے، اس کے بعد پھر ایک

موقعہ پر بات آئی تو میں نے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پرنام پیٹی کا ذکر کیا، اور اتفاق سے ان ہی دنوں حضرت یہاں بنگلور تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور احقر کو ان کے میزبان نے مفتی صاحب کے ساتھ ایک ضیافت میں دعوت دے رکھی تھی، میں نے مولانا اسلم اللہ خان صاحبؒ سے کہا کہ آپ بھی چلئے کہ اس بہانے ملاقات ہو جائے گی اور آپ کو غور کرنے کا موقعہ بھی مل جائے گا۔ چنانچہ میں مولانا کو لیکر شریک ضیافت ہوا اور مولانا کو مفتی صاحب سے مناسبت معلوم ہوئی اور سلسلہ قائم ہو گیا۔"

آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت علامہ ابوالسعود احمد صاحبؒ کے دست حق پرست بیعت کی تھی۔ اب اخیر زمانہ میں آپ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پرنامبٹی دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرالحق صاحب قدس سرہ) سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا تھا جیسا کہ اوپر گذرا اور وقتاً فوقتاً شیخ کی خدمت میں حاضری بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۹ محرم مطابق ۱۶ ڈسمبر بروز جمعرات کو آپ کا پرنامبٹ کا سفر بھی تھا اور ٹکٹ بھی بن گیا تھا۔ مگر اس سے دو دن قبل انتقال فرما گئے رحمہ اللہ تعالی رحمۃ الأبرار۔

آپ کو بزرگوں اور ان کی کتابوں سے گہرا تعلق تھا، چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی اللہ والے بزرگ شہر تشریف لاتے اور کہیں وعظ ہوتا تو آپ ضرور اس میں شرکت کی کوشش فرماتے تھے اور بزرگوں کی اصلاحی کتابیں بھی بہت پڑھتے تھے، اب آپ کے نام کتب خانہ جامعہ میں جو کتابیں درج ہیں ان میں حضرت مولانا حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم کی ایک "معرفت الٰہیہ" ہے۔ اور اخیر زمانہ میں آپ بزرگوں کی اصلاحی کتابیں بکثرت پڑھنے لگے تھے۔ الغرض آپ بزرگوں سے

عقیدت رکھتے تھے اور موقعہ پاتے تو ان سے استفادہ فرماتے اوران کا تذکرہ فرماتے تھے۔اس کے علاوہ آپ نے بعض بزرگوں کے پاس جاکر تھوڑا وقت بھی گذارا ہے یہاں پہلے آپ کا ایک خط نقل کیا جاتا ہے پھر آپ نے جن بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی اور وقت گذارا ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اپنے شیخ کے نام خط

یہاں آپ کا ایک اصلاحی خط جو آپ نے اپنے شیخ ،حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پرنابٹی کو لکھا ہے، پیش کیا جارہا ہے،جس سے آپ کی فکر اصلاح اور اپنے آپ کو مٹانے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے:

سیدی وسندی ومرشدی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمدللہ بخیر وعافیت ہوں بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہوں کہ حضرت کو تادیر باعافیت وکرامت ہم پر سایہ فگن رکھے۔

اپنی نااہلی وکسلمندی کی وجہ سے عرصہ دراز سے مراسلت سے محرومی کے سبب، استفاضہ سے بھی محرومی رہی۔گزشتہ حاضری میں تبویب تربیت السالک کے مطالعہ کی ہدایت ملی تھی، اگر چہ اسے پہلے بھی جستہ جستہ دیکھ چکا تھا۔لیکن حضرت کے ارشاد بارشاد کے بعد،اس کے مطالعہ کی کیفیت ہی دیگرگوں ہے ، بہت عجیب فوائد محسوس ہورہے ہیں۔دوسری چیز حضرت نے بطور نصیحت اپنے کو فنا کرنے کی بات فرمائی تھی، اللہ کے فضل سے اور حضرت کی برکت سے بعض دفعہ ابتلاء پیش آیا، بسا اوقات مزاج کو مکدر اور اشتعال

انگیز کرنے والی باتیں پیش آئیں، مگراس نصیحت نے تھام لیااور کچھ کچھ صبروتحمل کی ہمت ہوئی جزاکم اللہ خیرافی الدارین۔

اس وقت قطب الارشاد حضرت گنگوہی کی بات یاد آرہی ہے کہ حضرت حاجی صاحب کوخط لکھتے ہوئے فرمایا کہ: ''میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں۔'' کہ کاش اس بے مایہ مغروراور گھمنڈی کے اندربھی اپنے کومٹانے کاایساجذبۂ راسخ ہوجائے کیاعجب کہ انفاس سعیدی کے طفیل محروم بھی بامراد ہوجائے؟!۔

حضرت تھانوی کے خطوط میں طالبین کو یہ ہدایات ہیں کہ کچھ عرصہ خدمت میں رہناضروری ہے،تاکہ صحیح اصلاح ہوسکے۔ ابھی ۵شعبان بروزاتوارحضرت مولاناتقی عثمانی دامت برکاتہم نے، مدرسہ کے عظیم الشان جلسہ میں ﴿وَكُونُوامَعَ الصَّادِقِينَ﴾ پرتقریر کرتے ہوئے، حضرت تھانوی کاترجمہ نقل فرمایا کہ: ''اللہ والوں کی جوتیوں میں رہ پڑو۔'' اس سے یہ محرک اورتیز ہوگیا کہ کچھ تواقدام عالیہ میں رہ پڑوں، کھانے کا ہوٹلوں سے کسی طرح انتظام کرلوں، کسی پربوجھ یاباعث تکلیف نہ ہوں۔ایک واردقلبی کاتذکرہ بے اختیارہوگیا، باقی تجویزخودتفویض کے منافی ہے۔اس لئے اس تجویزاوررائے زنی پربھی عفوکاطالب ہوں۔

والسلام مع الاکرام

یکےازخدام

محمداسلم اللہ، بید، بنگلور

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی خدمت میں

آپ نے ۱۹۸۵ء میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رمضان کا آخری عشرہ بغرضِ استفادہ واصلاح گذارا ہے۔ جس کے متعلق آپ خود رقمطراز ہیں:

"۱۹۸۵ء میں رمضانِ مبارک میں ایک سفر کا داعیہ دل میں شدت سے پیدا ہوا کہ لکھنواور اطراف کے جانب جو اللہ والے ہیں، ان کی زیارت اوران سے استفادہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ندوہ کی دید کی عرصے سے تمنا تھی، اس کا مداوا بھی مقصود تھا، سب سے پہلے رائے بریلی، حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری اور اعتکاف سے بہرہ ور ہوا، خیال تھا کہ حضرت عالمی شہرت یافتہ شخصیت ہیں، اس لئے بڑا اونچا، عالی شان، محل نما مکان ہوگا، لیکن جب رکشہ حضرت کے دولت کدے پر اترا تو محوِ حیرت رہ گیا کہ ایک پرانا اور بوسیدہ گھر تھا، جو آپ کا آبائی مکان تھا، بس اسی میں آپ کا رہن سہن اور بود وباش تھی، بلا شبہ آپ سلفِ صالحین کا اُسوہ اور زندہ نمونہ تھے۔ عشرہ آپ کے قرب میں گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جو اللہ کا بہت بڑا انعام اور بڑی دولت تھی آپ کے پیچھے عید"۔۔۔ (یہاں پر آپ کی خود نوشت سوانح ختم ہوگئی ہے)۔

غالباً آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس سال حضرت علی میاں صاحبؒ کے پیچھے عید کی نماز کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کی خدمت میں

اسی طرح آپ نے حضرت مولانا احمد صاحب پرتا بگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی بغرض استفادہ واصلاح خصوصی طور پر حاضری دی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ احقر سے تذکرہ فرمایا تھا کہ میں نے حضرت مولانا احمد صاحب پرتا بگڈھی کی خدمت میں حاضری دی تھی اور کچھ دن قیام کیا تھا اور واپسی کے موقع پر حضرت والا نے اپنا پتہ بن مانگے خود ہی دیا تھا۔ مگر افسوس کہ میں نے حضرت والا سے رابطہ نہیں رکھا۔ اس کی تاریخ کا نہ تو حضرت والا نے ذکر فرمایا تھا نہ کہیں آپ کی تحریروں میں مذکور ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کی خدمت میں

آپ نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کی خدمت میں بھی بغرض استفادہ حاضری دی ہے اور حضرت ہردوئی رحمہ اللہ نے اس موقع پر آپ کو، خادم الحرمین الشریفین علامہ محمد علوی مالکی مکی حسنی کی کتاب ''مفاهيم يجب أن تصحح'' ہدیۃً عنایت فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد جب آپ کی کتابیں برائے فروخت جامعہ لائی گئیں تو اس میں یہ کتاب موجود تھی جس میں آپ نے یہ تحریر لکھی ہے ''هدية مباركة من الشيخ الأجل ابرار الحق (ہردوئیؒ)'' اور نیچے ''محمد اسلم بنگلوری نزیل ہردوئی'' لکھا ہوا ہے مگر کوئی تاریخ مرقوم نہیں ہے۔

کمالاتِ عملیہ

آپ کا دیر تک سنتیں اور نوافل پڑھنے کا معمول تھا، روزانہ نمازوں کے بعد

طویل سنتیں پڑھتے تھے اور غالباً سنن ونوافل میں قرآن ترتیب سے پڑھ کر ختم کرنے کا بھی معمول تھا۔اس کے علاوہ اشراق اوراوابین وغیرہ نوافل بھی پابندی سے پڑھتے تھے۔احادیث کی بیشمار دعائیں آپ کو یاد تھیں، جنہیں آپ روزانہ پڑھا کرتے تھے۔دعاء بڑی آہ وزاری کے ساتھ کیا کرتے تھے۔آپ اپنی دعاؤں میں کثرت کے ساتھ کلمہ والی موت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا صغیر احمد صاحب دامت برکاتہم جو جامعہ میں آپ کے ساتھ کمرہ میں رہتے تھے، کا بیان ہے کہ:''آپ روزانہ پہلی گھنٹی پڑھا کر آتے اور پابندی سے چار رکعت اشراق پڑھا کرتے اور پھراس کے بعد دیر تک گڑگڑا کر دعا کرتے تھے میں روزانہ سنتا تھا کہ آپ دعا میں بکثرت کلمہ والی موت کا سوال کرتے تھے۔''

چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ہروقت بکثرت قرآن کریم کی تلاوت بھی فرماتے تھے۔حضرت حافظ الیاس صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:''میں کئی دفعہ آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگراس لئے نہیں پوچھتا تھا کہ آپ کی تلاوت میں خلل نہ ہو۔آپ مسلسل قرآن پڑھتے چلے جاتے تھے،کہیں اٹکتے نہیں تھے،قرآن غضب کا یادتھا،تلاوت کے دوران جب آیات رحمت وآیات عذاب آتیں توان آیات کا تکرارفرماتے تھے اوران سے لطف واثر لیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ میں نے سنا کہ آپ آیت ﴿وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ کا بصدشوق ولطف تکرارفرمارہے تھے۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ :''رمضان مبارک میں تراویح تو مسجد بید میں کئی سالوں سے آپ ہی پڑھاتے تھے، اس میں بھی متعدد بار آپ کو دیکھا کہ کبھی آیات رحمت پراور کبھی آیات عذاب پران

آیات کا تکرار کرتے تھے اوران پر خوب روتے تھے، امسال بھی تراویح میں متعدد مواقع پر یہ کیفیت طاری ہوئی ۔ یہ بات آپ کے قلب کی صفائی اور قرآنی آیات سے متأثر ہونے کی صلاحیت کی دلیل ہے۔"

آپ کی عبادت وریاضت کے تعلق سے حافظ احمد وحید صاحب کا بیان ہے کہ:"اکثر جب آپ پرنظر پڑتی تو اکثر آپ کو ذکر، تلاوت، نماز یا دعا میں مشغول پایا؛ یہ چیزیں ذہن میں آتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت والا، باوجود کم عمری کے بڑی عمر والوں سے زیادہ ساتھ لے گئے۔"

الغرض عمل کے لحاظ سے بھی آپ کی ذات گرامی ہم سب کے لئے ایک نمونہ ومثال تھی۔

تواضع اور سادگی

اسی طرح سادگی وتواضع آپ کے ایسے اوصاف تھے جو زندگی کے ہر موڑ گفتار، کردار اور وضع قطع ہر چیز میں نمایاں تھے۔آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے کرتہ میں چار چار، پانچ پانچ شکن ہوتے تھے۔ ہمیشہ کرتا اور لنگی پہننے کا معمول تھا۔جو بالکل سادے ہوتے تھے،ٹوپی بھی جالی دار اور سادی پہننے کا معمول تھا،آپ کو دیکھ کر کسی کا یہ جاننا تو درکنار کہ یہ ایک محدث،فقیہ ومفسر اور جملہ علوم کا ایک بحر ذخار ہیں، بلکہ بہت سے لوگوں کو یہ شبہ بھی ہوجاتا تھا کہ آپ مدرسہ کے کوئی خادم ہیں اور جب حقیقت معلوم ہوتی تو پشیمان ہوتے،خود احقر نے جب مدرسہ میں داخلہ لیا تھا تو تقریبا تین ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ آپ بھی ایک مدرس ہیں۔آپ تکلف وتصنع سے بے حد احتراز فرماتے تھے۔آپ ہر ایک کے ساتھ بڑی تواضع عاجزی اور سادگی سے ملتے تھے،طلبہ پر بھی بڑی شفقت فرماتے تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی آپ کو کسی

کو مارتے یا غصہ یا ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے دیکھا ہو، بلکہ جب بھی کوئی بات پیش آتی تو فہمائش سے کام لیتے اور اسی پر اکتفاء کرتے تھے اور آپ کی وہ فہمائش ایسی ہوتی تھی، جو چھڑی کی ماروں سے زیادہ اثر انداز ہوتی تھی۔

حضرت والا کی سادگی کے متعلق حافظ احمد وحید صاحب کا بیان ہے: ''سادگی کا یہ عالم تھا کہ ہر کوئی آپ سے بآسانی استفادہ کرسکتا تھا، اپنی تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر سائل کی طرف متوجہ ہو جاتے۔''

آپ کی تواضع کی انتہاء یہ تھی کہ آپ نے کبھی اپنی زندگی میں اپنے کو عالم بھی نہیں سمجھا۔ محمد خالد متعلم جامعہ کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میں نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے آپ کو عالم نہیں سمجھا''۔

بخدا آپ کے اس جملہ کے قبول کرنے میں ہمیں کوئی تأمل نہیں ہے، اس لئے کہ آپ نے جو بات بیان کی ہے، پوری زندگی ہم نے حضرت والا کو ایسا ہی پایا ہے۔ آپ نے ظاہری طور پر بھی کبھی عالمانہ وضع اختیار نہیں فرمائی کہ ہمیشہ آپ کا لباس اور وضع عام لوگوں کی طرح ہی رہی اور زبانی طور پر بھی کبھی کوئی ادعاء اپنے کمال کا نہیں فرمایا اور ہر ایک کے ساتھ آپ کا معاملہ ایسا ہی ہوتا تھا، اپنے شاگردوں کو کہا کرتے تھے کہ ہم کہاں کچھ کررہے ہیں، خدمات تو آپ لوگ انجام دے رہے ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہاء درجہ کی تواضع عطا فرمائی تھی۔

آپ نے اپنی خودنوشت سوانح کی ابتداء اس طرح کی ہے:

''یہ ہے ایک ہیچمدان ، ناکارۂ علم وعمل کی زندگی کا خلاصہ،
چالیس سالہ زندگی کا لب لباب، نہ کوئی علمی کمال، نہ کوئی عملی

کارنامہ، نہ کوئی اصلاحی عمل، نہ کوئی دعوتی سرگرمی، نہ کوئی تربیتی کارنامہ، نہ کوئی تبلیغی کدوکاوش، زندگی کے ہر شعبہ میں ناکامی، عمل کے ہر میدان میں پسپائی، فکروعمل سے خلو، علم وعمل سے تہی دامنی، غرض سراپا عصیاں، مجسم گناہ، سراسر ناکامی، نااہلی، نالائقی، غفلت وسستی، ناکارہ پن، نکمے پن، بزدلی وپست ہمتی کا مرقع، پیہم شکستوں اورناکامیوں کی منہ بولتی تصویر، بے مقصد وناکام زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ، وقت کی ناقدری کا شکار، نعمتہائے الٰہیہ کی ناسپاسی کا عبرت خیز منظر، ایسا بودہ، بدطینت، بدخلق وبدکردار، اگر فلک کج رفتار کی سختی کا شاکی ہو، اپنی پھوٹی تقدیر سے نالاں ہو، زمانے کی ناقدری کا رونا روتا ہو، کاتب تقدیر سے شکوہ کرتا ہو، ارباب حل وعقد کی بے بصیرتی، کوتاہ نظری اورتنگ ظرفی کے ٹسوے بہائے تو اپنے پیر پر آپ کلہاڑی مارتا ہے، اپنی بے بضاعتی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے، اپنی جگ ہنسائی کا سامان فراہم کرتا ہے اس لئے کہ۔۔۔۔''

اس میں بڑی عبرت ہے کہ آپ نے اپنے بیشمار علمی وعملی کمالات کے باوجود اپنے کو ہیچ سمجھا۔اورمزید اس سے آپ کی حیرت انگیز تحریری صلاحیت وقوت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

دیگر کمالات وصفات حمیدہ

❁ آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب دامت برکاتہم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''مولانا اسلم اللہ خان صاحب میرے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے، اور مخلصانہ محبت رکھنے والے گنے چنے شاگردوں میں سے تھے۔ اللہ تعالی نے ان کو علمی صلاحیت کے ساتھ متواضع، سالم طبیعت اور خوش طبع بنایا تھا، ورنجاں مرنج تھے، وہ بچپن میں یتیم ہوگئے تھے، لیکن خالق کی کرشمہ سازی نے ان کو سہارا دے کردرآبدار، انمول موتی اور قیمتی جوہرنا دیا تھا۔ آنعزیز ان لوگوں میں سے تھے جوچھپ کراپنے رب کو پکارتے ہیں، موصوف کو خدا سے محبت تھی اور اس واضح دلیل یہ ہے کہ وہ اہل اللہ سے خاص محبت رکھتے تھے۔ ان کو رب سے مانگنا آ گیا تھا، اس لئے انہوں نے رب کو مانگا اور ان کی یہ دعاء رگاہ ایزدی میں قبولیت سے نوازی گئی، اور ۷؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۲۰۱۰ء بروز منگل بوقت تہجد فجر سے قبل میرے یہ محترم شاگرد اپنے محبوب سے مل کر خود تو خوش ہوگئے، لیکن ہمیں اپنی مفارقت کا داغ دے کر رنجیدہ کر گئے۔

''وانا بفراقک یا أسلم الله لمحزونون''

اخیر میں لکھتے ہیں:

مرحوم کی رحلت کا صدمہ بے انتہاء ہے، کیونکہ ہمارا تعلق صرف استاذ شاگرد کا نہیں تھا بلکہ میں ان کو ہمیشہ اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا رہا اور وہی برتاؤ میں ان کے ساتھ کرتا رہا اور وہ ہمیشہ اپنے باپ کی طرح میری عزت کرتے رہے۔

دل کی گہرائیوں سے ہمہ وقت دعاء گوہوں اللہ ان کو اپنا قرب خاص نصیب فرمائے، ان کی کامل مغفرت فرمائے، اوراعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین''

۞ آپ دوسروں کا بڑا خیال کرتے تھے اور اپنی جانب سے کسی کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتے تھے، انتقال سے ایک دن قبل گھنٹی لگانے والے طالب علم کو بلا کر فرمایا کہ

بھئی وقت پر گھنٹی لگائیے، یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی استاذ باہر انتظار کریں۔

۞ آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لئے گھر کا سودا سلف خود بازار جا کر لاتے اس میں آپ کو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔

۞ ہمارے حضرت نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ:

''مولانا اسلم اللہ صاحبؒ نے اپنے اوپر تواضع کی اتنی دبیز اور موٹی چادر ڈال لی تھی کہ اس کے اندر انکی ولایت مخفی ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے لوگ انہیں پہچان نہیں سکے، جیسا کہ باہر کوئی چادر اوڑھ کر بیٹھ جائے تو کوئی پہچان نہیں سکتا کہ کون بیٹھا ہے، لیکن اگر کوئی چادر اوڑھ کر بیٹھ جائے تو دیکھنا تو چاہئے کہ کون بیٹھا ہے؟ مگر کبھی محلّہ والوں نے جھانک کر نہیں دیکھا اور اگر وہ دیکھ لیتے تو انہیں ولایت نظر آتی، تقوی، طہارت، دعاؤں کا اہتمام، خشوع وخضوع، محبت الٰہی انابت الی اللہ نظر آتے۔''

۞ حافظ شرف الدین صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ: ''آپ کے کمالات میں سے ایک کمال یہ تھا کہ آپ جب کسی سے کوئی علمی گفتگو کرتے اور مدمقابل طیش میں آجاتا اور مجلس میں سنجیدگی باقی نہ رہتی تو باوجودیکہ آپ حق پر ہوتے خاموش ہو جاتے اور سامنے والے کو بھی خاموش کر دیتے یہ آپ کا بہت بڑا کمال ہے۔ میں نے اس کا کئی دفعہ مشاہدہ کیا ہے۔'' اس سے آپ کی کمال درجہ کی تواضع کا پتہ چلتا ہے۔

۞ حافظ الیاس صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ: ''میں مولانا سے بہت بے تکلف تھا اور کبھی چھیڑ چھاڑ اور مذاق بھی کر لیتا تھا۔ مگر آپ اپنے بلند مقام ومرتبہ کے باوجود برا نہیں مانتے تھے، نہ کسی موقع پر اس کا بدلہ وغیرہ لینے کی کوشش کرتے۔

آپ کے بہت سے رفقاء سے میرے تعلقات ہیں۔ مگر میں نے ان سب میں آپ کی شان ہی کچھ اور دیکھی، آپ کا وقار، اوقات کی حفاظت کا اہتمام، علمی جستجو یہ ساری صفات ایسی ہیں جن میں میں نے آپ کو ممتاز پایا ہے“۔

❁ آپ کے رفیق درس حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

”مولانا نے دورہ حدیث کی تکمیل کی اور راقم الحروف کا ایک سال جماعت میں لگا واپسی کے بعد مولانا کا تقرر دارالعلوم صدیقیہ میسور میں ہوا اور راقم کا دارالعلوم سبل السلام پنگنور میں۔ پنگنور کے ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر استعفیٰ کے بعد بڑے حضرت علیہ الرحمۃ کے حکم پر راقم دارالعلوم صدیقیہ میسور پہنچا تو وہاں کے اجنبی اور نامانوس ماحول میں تیسری مرتبہ مولانا کی معیت حاصل ہوئی۔ دو مرتبہ تعلم کا ساتھی، اب تیسری مرتبہ خدمت تعلیم کا ساتھی تھا۔ وہی طبع مرنجاں مرنج، وہی کم گوئی، وہی خاموشی، وہی مطالعہ، وہی ذوق کتب، وہی انفرادیت، وہی سادگی، وہی تکلف و تصنع سے دوری، درس اور مطالعہ، مطالعہ اور درس یہی تھے مولانا اسلم اللہ خان صاحبؒ۔ دارالعلوم صدیقیہ کے ناموافق حالات نے ہم دونوں کو بنگلور پہنچا دیا۔

ملاقات کے وقفہ بڑھتے رہے کبھی کبھی آمنا سامنا ہوتا، کچھ گفتگو ہوتی پرانی باتوں اور یادوں کا تذکرہ ہوتا۔ فقیہ الملت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی آمد کے موقع پر ان ملاقاتوں کی تجدید ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب مولانا جامعہ مسیح العلوم کے درجہ علیا کے مدرس، ناظم تعلیمات اور رکن مجلس شوری تھے لیکن کسی قسم کا کوئی احساس ترفع یا کوئی اور باطنی مرض ان کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔“

❁ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے:

''احقر کا حضرت کے ساتھ ایک طویل زمانہ سے تعلق رہا ان میں سے سات سال تو ایسے رہے جن میں ہم دونوں کا کمرہ بھی ایک تھا اور ناشتہ اور دوپہر کا کھانا بھی ایک ساتھ ہی کھاتے تھے میں نے دیکھا حضرت ہر معاملہ میں حتی الوسع سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے اور تواضع وانکساری میں عدیم المثال تھے۔لوگوں نے آپ کے نام کے ساتھ انتقال کے بعد مرحوم لگایا میں حضرت والا کے گھریلو اور خاندانی حالات سے واقف ہوں،اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت والا زندگی ہی میں قابل رحم ہو چکے تھے اور سخت ترین حالات کے باوجود بڑے صابر تھے اور آپ حقیقی صابر و شاکر کہلانے کے مستحق تھے۔

جامعہ ایک اہم ترین فرد سے محروم ہوگیا،جس میں جامعہ کے بہت سے امور کو بحسن وخوبی نمٹنے کی صلاحیت تھی۔اتنا ضرور کہوں گا کہ جامعہ کسی باصلاحیت کے ساتھ باصلاح مدرس کو بھی لاسکتا ہے مگر ان دونوں صفات کے ساتھ مدرسہ اور طلبہ کا ہمدرد وغمگسار کو لانا ناممکن ومحال تو نہیں دشوار ضرور ہے۔''

آپ کی زاہدانہ زندگی

آپ بڑے خوددار،غیرت منداور زاہد انسان تھے،آپ کی زندگی حدیث ''کُنْ فِیْ الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ أَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ'' کا کامل مصداق تھی۔ہم نے کتابوں میں بزرگوں کے حالات میں ان کے زہد کے حالات پڑھے تھے۔مگر حضرت والا کے انتقال کے بعد وہی حالات حضرت والا کے دیکھے اور سنے۔ہوا یہ کہ حضرت ایک بڑے اور اونچے خاندان کے تھے۔اس لئے سب کا گمان یہی تھا کہ: حضرت والا کا معیار زندگی اونچا ہی ہوگا اور آپ کی سادگی اپنی حد تک ہوگی،مگر انتقال کے بعد یہ راز سب کے سامنے کھلا کہ: آپ بڑے تنگ دست تھے اور آپ کے گھر میں ضروری اسباب زندگی

تک موجود نہیں تھے۔آپ کے انتقال کے بعد جتنے لوگ اور خصوصا خواتین آپ کے گھر گئیں وہ آپ کے حالات جان کر ضرور متأثر ہوئیں اور بیساختہ رونے پر مجبور ہوگئیں اور آپ کے انتقال سے چند دن پہلے سے گھر میں کھانے کے لئے چاول تک نہ تھے، مگر عجیب وغریب بات کہ آپ نے کسی پر اپنے حالات کو خود ظاہر کرنا تو درکنار کسی پر اس کو ظاہر ہونے تک نہ دیا، آپ کی زندگی میں کسی کو آپ کے حالات کی خبر نہ تھی، کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آیا کہ حضرت والا کے ایسے حالات ہوں گے۔آپ کا حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم سے عرصہ دراز سے خصوصی بلکہ دوستانہ تعلق رہا اور جامعہ اور دارالقضاء کے تعلق سے تقریبا روزانہ خلوت وجلوت میں ملاقاتیں ہوتیں اور ساتھ رہتے مگر آپ نے کبھی ایک لفظ بھی اپنے حالات کے تعلق سے حضرت سے نہیں کہا۔جس سے آپ کی خودداری، استغناء، غیرت اور زہد عن الدنیا کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت والا ہمیشہ مطمئن، خوش وخرم رہتے، ہمیشہ آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی، کبھی آپ کو رنجیدہ وغمگین، حیران وپریشان نہیں دیکھا گیا۔آپ کوئی سالوں سے ہارٹ اور مختلف بیماریاں تھیں، اس لئے روزانہ دوائیوں کا استعمال کرنا پڑتا تھا، لہذا ہر ماہ تنخواہ آنے پر اپنی دوائیاں خریدنے کے بعد جو رقم بچ جاتی اس میں گھر کے لئے سودا خریدتے تھے۔انتقال کے بعد جب آپ کے حالات جامعہ کے اساتذہ وغیرہ کے پاس آئے تو سب دنگ رہ گئے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کا ایک واقعہ ذکر کردیا جائے جس میں آپ کا ایک ایسا جملہ ہے جسے پوری زندگی کا خلاصہ کہا جاسکتا ہے یا آپ کی زندگی کا ایک اہم اصول قرار دیا جاسکتا ہے۔

محمد خالد متعلم جامعہ کا بیان ہے: ’’گذشتہ سال کا واقعہ ہے کہ آپ ایک دن مختصر المعانی کا سبق پڑھا رہے تھے، ابھی بحث ادھوری تھی کہ گھنٹی کا وقت ختم ہوگیا اور اگلی گھنٹی جن کی تھی، وہ مدرسہ کے کسی کام سے مصروف تھے، اس لئے معلوم نہ تھا کہ وہ آئیں گے یا نہیں؟ اس لئے آپ سے طلبہ نے کہا کہ کیا اگلی گھنٹی والے استاذ سے اجازت لے لیں؟ تو آپ نے برجستہ فرمایا:

’’ہم مانگے کے اُجالے کے قائل نہیں ہیں، مانگے تو ملے بھیک، بن مانگے ملے تو موتی۔‘‘ یہ جملہ آپ کی پوری زندگی کی عکاسی کررہا ہے۔

میں حضرت والا کو ان اشعار کا مصداق قرار دیتا ہوں:

اِنَّ لِلّٰهِ عِبادًا فُطنًا طَلَّقُوا الدُّنیا وَ خافُوا الفِتَنَا

نَظَرُوا فِیهَا فَلَمَّا عَرَفُوا أَنَّهَا لَیسَتْ لِحَيٍّ وَطَنًا

جَعَلُوهَا لَجَّةً وَاتَّخَذُوا صَالِحَ الأَعْمَالِ فِیهَا سُفُناً

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالی کے کچھ ایسے عقلمند بندے ہیں جنہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور فتنوں اور برائیوں سے ڈر گئے۔ انہوں نے اس (دنیا کی حقیقت) پر غور کیا اور (اس غور کے نتیجہ میں) جب یہ جان لیا کہ یہ دنیا کسی زندہ کا وطن نہیں ہے۔ تو انہوں نے اس دنیا کو سمندر بنالیا اور اعمال صالحہ کو کشتیاں۔

فکر آخرت، خوف خدا اور انابت الی اللہ

آپ پر ہمیشہ خوف خدا اور فکر آخرت مستولی رہتی تھی، اس کا اثر تھا کہ آپ اپنی نمازیں وغیرہ بڑے خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے اور دعاؤں میں بھی بہت روتے تھے، آپ کی انابت الی اللہ اور خشوع وخضوع اور خشیت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ ہر وقت

کسی نہ کسی نیک عمل تلاوت، ذکر، استغفار، نماز یا دعا وغیرہ میں مصروف رہتے یا بالکل خاموش رہتے۔

صدیق محترم مولانا رفیع اللہ صاحب نے سنایا کہ ایک دفعہ آپؒ نے فرمایا کہ:

”بھئی مقبولیت کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے پھر ایک واقعہ سنایا کہ حضرت علامہ ابوالسعود صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ ایک طالب علم ہمارے مدرسہ میں پڑھتے تھے اور وہ پڑھنے سے زیادہ اساتذہ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ ہم کہتے تھے کہ بھئی پڑھ بھی لیا کرو، فارغ ہو کر کیا خدمت کرو گے؟ بہر حال وہ فارغ ہوئے اور ایک قریہ میں امامت کرنے لگے ایک دفعہ انہوں نے مجھے دعوت دی تو میں گیا کیا دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اتنی محنت کی ہے کہ پورے گاؤں میں ایک بھی بے نمازی نہیں ہے سارے نمازی بن چکے ہیں۔

یہ واقعہ حضرت والا (حضرت مولانا اسلم اللہ صاحبؒ) نے سنا کر فرمایا کہ بھئی نری صلاحیتیں لے کر ہم کیا کریں جب کہ مقبولیت ہی نہ ہو؟ یہ فرما کر حضرت والا رونے لگے۔“

ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو قابلیت کے ساتھ مقبولیت بھی عطا فرمائی تھی۔ اس کی دلیل آپ کی خدمات اور آپ کے تعلق سے آپ کے اساتذہ، ساتھیوں اور شاگردوں وغیرہ کی آپ کے حق میں گواہی ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے استاذ حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب نے تعزیتی بیان میں آپ کو سورہ آل عمران کی آیت ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آیت:۱۸۵) کا مصداق قرار دیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم سب کو

(تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے پھر جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا۔''

آخری ایام میں آپ کا مطالعہ اور تحریری کام بھی برزخ اور آخرت وغیرہ ہی سے متعلق تھا اور آپ نے اپنا وصیت نامہ بھی تیار کر دیا تھا۔ جس میں آپ نے متعلقین کو موت کی یاد دہانی کی ہے۔

حج بیت اللہ کی سعادت

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی بھی سعادت عطا فرمائی چنانچہ آپ نے ۱۹۸۴؁ء میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حج کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

''دوران تدریس ۱۹۸۴؁ء میں والدہ کے ساتھ حج کی سعادت میسر ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اکثر بوڑھے، معمر اور سن رسیدہ حضرات جب دنیا کے سارے کاموں سے ریٹائر اور سبکدوش ہو جاتے اور پیر قبر میں لٹکنے کا زمانہ ہوتا اور موت کی تلوار سر پر لٹکنے لگتی تو اس وقت ان کو حج کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہوتی۔ اکثر بھری بس میں دو تین سے زیادہ جوان نہ ہوتے۔''

مرض الوفات اور وفات

آپ عرصہ دراز سے ہارٹ کے مریض تھے میری طالب علمی کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت والا نے کسی بات پر یہ فرمایا تھا کہ ''میرے سر پر تو ہارٹ کی تلوار لٹک رہی ہے'' جس کا علاج بھی جاری تھا۔ کئی مرتبہ اس کا حملہ ہوا اور آپ شفایاب ہو گئے

بروز پیر بتاریخ ۶ر محرم الحرام مطابق ۱۳ر ڈسمبر کو آپ معمول کے مطابق جامعہ آئے، حسب معمول اسباق پڑھائے، طبیعت میں کوئی تغیر نہ تھا، نہ کوئی درد نہ اور کوئی شکایت اور معمول کے مطابق جامعہ سے گھر بھی رخصت ہوئے۔ بعد نماز مغرب کچھ تکلیف شروع ہوئی، ڈاکٹر کے پاس جا کر دوائی لی گئی، پھر رات کے بارہ بجے تکلیف بڑھی تو ہسپتال لے جایا گیا۔ ایک ہسپتال والوں نے قبول نہیں کیا تو دوسری جگہ لے جایا گیا، سہولت نہ ہونے کی وجہ سے انجکشن لگانے میں دیر ہوگئی، جس وقت انجکشن دیا گیا اس وقت دل اس کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت کھو چکا تھا بالآخر بروز منگل بتاریخ ۷ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ م ۱۴ر دسمبر ۲۰۱۰ء صبح پونے سات بجے آپ انتقال فرما گئے اور اپنے رب سے جا ملے اور ہمیشہ کے لئے اپنے اہل وعیال، اساتذہ و شاگردوں اور دیگر عزیزوں اور متعلقین کو روتے اور بلکتے چھوڑ کر خود ہنستے، مسکراتے اپنے خالق و مالک سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے لئے بڑی ہی دردناک وافسوسناک ثابت ہوئی۔ جیسے ہی یہ خبر کانوں میں پڑی تو سارے مدرسہ پر ایک سکتہ طاری ہوگیا اور ابھی تک مختلف درسگاہوں سے جو دروس واسباق کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ بند ہوگئیں اور سب پر ایک غم سوار ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج اہل جامعہ نے اپنے ایک مدرس واستاذ، مربی ورہبر، جامع کمالات علمیہ وعملیہ، عبقری ولاثانی اور ہردلعزیز شخصیت کو کھو دیا۔ جس پر جتنا بھی رویا اور افسوس کیا جائے کم ہے۔

ویراں ہے میکدہ خم وساغر اُداس ہیں

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن، بہار میں

نماز جنازہ اور تدفین

آپ کی پہلی نماز جنازہ بیدواڑی میں ہمارے حضرت کی گزارش پر آپ کے استاذ امیر شریعت حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی اور دوسری نماز جنازہ آپ کے ایک اور استاذ حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب نے جامعہ مسیح العلوم ہسور بنڈے میں پڑھائی۔ نماز جنازہ میں آپ کے اعزہ، اقارب اور رشتہ داروں کے علاوہ صوبہ کے مختلف علاقوں اور شہر کے مختلف مدارس، مساجد، اداروں اور انجمنوں وغیرہ کے علماء، حفاظ اور ذمہ داران نے شرکت کی جن میں آپ کے اساتذہ، رفقاء، شاگردان اور دیگر متعلقین، مستفیدین اور محبین شریک رہے۔ الغرض علماء وعوام کا ایک جم غفیر تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی کوشش و خواہش سے آپ کی تدفین جامعہ کے قریب واقع قبرستان میں عمل میں آئی۔ حضرت والا کا منشاء یہ تھا کہ جامعہ کے قریب آپ کی تدفین ہوگی تو روزانہ مدرسین، طلبہ اور دیگر مہمانان وابناء قدیم آپ کی قبر پر جاکر ایصال ثواب کریں گے، اس طرح جہاں آپ کے شاگرد آپ کو یاد رکھیں گے، وہیں حضرت والا کے لئے ایک بہترین اور دائمی ایصال ثواب کا سبب بن جائے گا۔

ہمارے حضرت نے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ: ”ہمارا مدرسہ جو منتقل ہوا اس میں یہ مصلحت تھی کہ مولانا کو وہاں دفن ہونا تھا اگر مدرسہ وہاں منتقل نہ ہوتا تو کس کے ذہن میں آتا کہ مولانا کو اتنی دور لے جاکر دفنانا ہے! اس لئے اللہ تعالی نے اس کا یہ انتظام

فرمایا کہ پہلے مدرسہ منتقل ہوا، پھر اس بہانے سے مولانا کی وہاں تدفین ہوئی۔''

ہر انسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے۔

حضرت والا کی پیدائش تو ہوئی محلّہ بیدواڑی میں مگر تدفین ہوئی ایک دور دراز دوسرے محلّہ، جامعہ مسیح العلوم، ہسور بنڈے، باگلور میں جس کا کسی کو تصور بھی نہیں تھا۔ اس کی کوئی تاویل تو نہیں کی جاسکتی، البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ احادیث شریفہ میں یہ مضمون آیا ہے کہ ہر انسان کی تدفین وہیں عمل میں آتی ہے، جہاں کے خمیر سے اس کی تخلیق ہوتی ہے، لہذا چونکہ آپ کو اپنے خمیر ہی کی طرف لوٹنا تھا، اس لئے اللہ تعالی کی جانب سے یہ انتظام ہوا کہ آپؒ کے انتقال کے بعد ہمارے حضرت کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ آپ کی تدفین جامعہ کے قریب واقع قبرستان میں عمل میں آئے، تاکہ آپ کے لئے ایک دائمی ایصال ثواب کا ذریعہ ہو جائے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تحقیق بھی پیش کردی جائے کہ ہر انسان کی تدفین وہیں ہوتی ہے، جہاں کا خمیر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۵ میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر پہچا دیتے ہیں اور اسی سے تم کو دوسری بار نکالیں گے۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ''اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا'' حالانکہ عام انسانوں کی پیدائش نطفہ سے ہوتی ہے۔ تو بعض مفسرین نے یہاں پر اس کی یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام (جو سب کے باپ ہیں) کی پیدائش مٹی سے

ہوئی تھی، اس لئے اس کی نسبت تمام انسانوں کی طرف کردی گئی اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ: عام انسانوں کی پیدائش گرچہ نطفہ ہی سے ہوئی مگر چونکہ ہر نطفہ کے بننے میں مٹی کا بھی دخل ہوتا ہے (چنانچہ انسان جن غذاؤں کو کھاتا ہے وہ مٹی ہی سے اگتی ہیں) لہذا ہر انسان کی پیدائش میں مٹی کا بھی خمیر ہوتا ہے۔

اور یہ خمیر اسی جگہ کا ہوتا ہے، جہاں اس کا مرنے کے بعد دفن ہونا اللہ تعالی کے علم میں مقدر ہوتا ہے۔ایک حدیث میں ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: ''ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جزء ڈالا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے۔'' اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔اس کو خطیب نے حدیث غریب کہا ہے اور ابن الجوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔مگر اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوسعیدؓ سے آئے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث اوپر گذری ان روایات سے اس کو تقویت ملتی ہے، لہذا یہ حدیث کم از کم حسن (لغیرہ) درجہ کی ہے۔(ملخصا از معارف القرآن: ۶/۱۱۹ بحوالہ قرطبی و مظہری)

عبرت کے تازیانے

تدفین کے بعد جامعہ کی مسجد میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔جس میں حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب، حضرت مولانا قاری انعام الحق صاحب، مولانا کلیم اللہ صاحب صدیقی میسور نے اپنے اپنے انداز میں تعزیتی کلمات کہے۔اور دوسرے دن مسجد بید میں بھی تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔

تعزیتی بیان میں ہمارے حضرت نے لوگوں کو بہت سے اہم امور کی جانب توجہ

دلائی اور علماء اور دینی خدام کے ساتھ لوگوں کے قابل تشویش سلوک کا تذکرہ فرمایا۔ ان میں سے چند باتیں یہاں پیش کی جارہی ہیں، تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں:

✿ آپ نے اپنے بیان کی ابتدا میں فرمایا: میں تو سمجھتا تھا کہ مولانا کی تعزیت میں پوری مسجد بھر جائے گی اور باہر تک مجمع ہوگا، مگر افسوس کہ ایک اتنے بڑے عالم کی موت پر صرف تھوڑے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ میں دیکھتا رہتا ہوں کہ جب کوئی سیاست داں آتا ہے تو ہمارے نوجوان جمع ہوجاتے ہیں، اور اس کو لئے لئے پھرتے ہیں، مجھے آج ان نوجوانوں کے چہرے یہاں نظر نہیں آرہے ہیں، افسوس صد افسوس!۔

✿ فرمایا: مولانا کی موت ایک فرد کی موت نہیں، بلکہ ایک عالَم کی موت ہے، اس لئے کہ ''موتُ العالِم موتُ العالَم'' (عالِم کی موت عالَم کی موت ہے) پھر اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ: جب تک عالم زندہ ہوتا ہے تو پورے عالم کو وہ اپنے علوم وافادات سے مستفید کرتا ہے اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کے افادات سے عالم چونکہ محروم ہوجاتا ہے تو اس محرومی کو عالم کی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ: جب تک عالم زندہ ہوتا ہے تو وہ عالم کے لئے راتوں کی تنہائی میں دعائیں کرتا ہے اور اس کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالی عالم کو نوازتے چلے جاتے ہیں، اگر چہ اس کا پتہ لوگوں کو نہیں ہوتا کہ ہم پر ان انعامات کی بارش کس وجہ سے کی جارہی ہے۔ اور جب عالم دین دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کی ان دعاؤں سے عالم محروم ہوجاتا ہے جس کو اس کی موت قرار دیا گیا ہے۔

✿ فرمایا: مولانا اسلم اللہ صاحبؒ نے اپنے اوپر تواضع کی اتنی دبیز اور موٹی

چادرڈال لی تھی کہ اس کے اندر انکی ولایت مخفی ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے لوگ انہیں پہچان نہیں سکے۔جیسا کہ باہر کوئی چادراوڑھ کر بیٹھ جائے تو کوئی پہچان نہیں سکتا کہ کون بیٹھا ہے،لیکن اگر کوئی چادراوڑھ کر بیٹھ جائے تو دیکھنا تو چاہئے کہ کون بیٹھا ہے ؟ مگر کبھی محلّہ والوں نے جھانک کر نہیں دیکھا اور اگر وہ دیکھ لیتے تو انہیں ولایت نظر آتی ،تقوی ،طہارت ، دعاؤں کا اہتمام ،خشوع وخضوع ،محبت الٰہی انابت الی اللہ نظر آتے۔

۞ فرمایا: آج لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جب کوئی عالم اوراللہ والا زندہ ہوتا ہے تو اس سے اس کی زندگی میں استفادہ نہیں کرتے ، بلکہ اس کی ناقدری کی جاتی ہے،اس سے اعراض کیا جاتا ہے،حتی کہ اس پر طرح طرح کے اعتراضات الزامات کئے اور لگائے جاتے ہیں اور جب وہ مرجاتا ہے تو تعزیتی جلسہ کئے جاتے ہیں،قرار دادیں پاس کی جاتی ہیں،اس سے کیا ہوتا ہے؟ بلکہ اس کی زندگی میں استفادہ کرنا چاہئے اور اس کے مرنے کے بعد افادہ کرنا چاہئے۔

۞ فرمایا کہ:مولانا کا بزرگوں سے اصلاحی تعلق تھا۔اس میں ہمارے لئے عبرت ہے کہ جب اتنے بڑے عالم اور متقی ہو کر بھی انہوں نے اپنے کو اصلاح کا محتاج سمجھا تو ہم جب جاہل ہیں ہم بدرجہ اولی اس کے محتاج ہیں۔لہذا ہر آدمی کو اپنی اصلاح کی فکر کرنا چاہئے اور بزرگوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔‘‘

لہذا ہمیں چاہئے کہ جو علماء اور اولیاء اللہ اس وقت موجود ہیں ان کو غنیمت جانیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں، ورنہ ان کے جانے پر پھر کف افسوس ملنا پڑے گا۔

باقیات صالحات

حضرت والا نے اپنے پیچھے چار لڑکیاں چھوڑی ہیں۔آپ کی نرینہ اولاد نہیں

تھی، مگر اللہ تعالی نے آپ کو سینکڑوں روحانی فرزندان عطا فرمائے ہیں، جنہوں نے آپ سے استفادہ کیا اور اس وقت مختلف مکاتب، مدارس، جامعات، اداروں اور مساجد میں علوم دینیہ کی تحصیل یا درس وتدریس، تصنیف وتالیف، امامت وخطابت، اہتمام وانتظام، تبلیغ ودعوت اور مختلف دینی خدمات میں مصروف ہیں، جو یقیناً آپ کے لئے ایک بہترین ثواب جاریہ ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی تحریر کردہ کتابیں ہیں، جو انشاء اللہ ہمیشہ آپ کی یاد تازہ کرتی رہیں گی۔

آپ نے اپنے ترکہ میں ایک مکان اور اپنی بیش بہا کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا اس کے علاوہ کوئی قابل ذکر چیز آپ نے نہیں چھوڑی۔

جس کے پاس اپنی زندگی میں مکمل ضرورت کا سامان نہ ہو بلکہ ایک راہ گذر کی طرح جس نے زندگی گذاری ہو، وہ آخر کیا چھوڑے گا؟ البتہ آپ چونکہ حقیقی وارث انبیاء تھے اس لئے آپ نے اپنے علوم اور خدمات اور لوگوں کے لئے اپنی زندگی کا ایک نمونہ واسوہ چھوڑا ہے جو صرف آپ کے وارثین کے لئے نہیں ہے بلکہ ہر ہر انسان کے لئے ہے جس میں ذرا بھی احساس ہو۔

آخری ایام میں طلبہ کو نصیحت اور حسن خاتمہ

طلبہ جماعت ہفتم کا کہنا ہے کہ انتقال سے ایک ہفتہ قبل سے حضرت والا ان کو مسلسل نصیحت فرمارہے تھے کہ: عنقریب آپ حضرات فارغ ہو جائیں گے لہذا اپنی عملی زندگی کی اصلاح کرو اور جو اور جیسی نصیحتیں اخیر سال میں کی جاتی ہیں، اس طرح مسلسل نصیحت فرمارہے تھے۔

انتقال سے چند دن پہلے سے حدیث پاک کی مشہور کتاب، مشکوۃ میں کتاب الصوم میں جنت کے دروازے ''ریان'' جس سے روزہ داروں کا جنت میں داخلہ

ہوگا کی مناسبت سے جنت کے تمام دروازوں کا تذکرہ فرمارہے تھے۔اسی طرح جلالین کے سبق جوآپ کی آخری گھنٹی تھی اوریہی آخری سبق ہے جوآپ نے پڑھایا اس کتاب میں آخری آیت جس پرحضرت والا نے سبق ختم فرمایا ہے یہ ہے:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾(بقرة:٣٨) ترجمہ:ہم نے کہااب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھراگرمیری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے تو جولوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔

اورصاحب جلالین نے:﴿وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کی تفسیران الفاظ سے کی ہے ”ولاھم یحزنون فی الآخرۃ بأن یدخلواالجنة “ توآپ نے سب سے آخری سبق، جوپڑھایاوہ قرآن کریم کاہے اوراس میں بھی مذکورہ آیت پرسبق ختم ہوا،جس میں اللہ تعالی نے اپنی ہدایت کی اتباع کرنے والوں کے لئے یہ بشارت دی ہے کہ نہ ان کوخوف کھانے کی ضرورت ہے، نہ غم کرنے کی اورپھرسب سے آخری جملہ وہ ہے،جس میں جنت میں داخلہ کاذکرہےاورسب سے آخری لفظ جنت ہے۔

اس کوہم حضرت والاکے حق میں فال نیک اورحسن خاتمہ کی علامت سمجھتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالی حضرت والا کی بال بال مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس کااعلی سےاعلی مقام عنایت فرمائیں۔آمین

شاگردوں اوروارثین پرآپ کاایک اہم حق

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب انسان مرجاتا ہےتواس کے

اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔سوائے تین چیزوں کے(کہ ان سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے) صدقہ جاریہ یا علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔(ریاض الصالحین: ۲۳۸ بحوالہ مسلم)

نوٹ: یہاں ''ولد صالح'' قید اتفاقی ہے یا اس لئے اس کا ذکر فرمایا کہ زیادہ تر اولاد ہی اپنے والدین کو یاد رکھتی ہے، ورنہ سب کی دعائیں اور ایصال ثواب آدمی کو نفع دیتا ہے۔

لہذا حضرت والا کے وارثین اور شاگردوں وغیرہ کو چاہئے کہ روزانہ آپ کیلئے کچھ ایصال ثواب ضرور کریں اور آپ کیلئے صدقہ جاریہ کی بھی کوئی شکل بنائیں۔ آپ سے محبت کا اصل تقاضا یہی ہے، محض آپ پر کچھ لکھ دینا یا تعزیتی جلسہ وغیرہ کر لینا کافی نہیں۔

ہمارے حضرت نے فرمایا کہ: جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے تعلق سے اخبارات ورسائل وغیرہ میں کچھ لکھ دیا جاتا ہے یا تعزیتی اجلاس کرلیا جاتا ہے، اس سے مرنے والے کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ ہاں البتہ اس نیت سے کہ ان لوگوں کی زندگی سے لوگوں کو کچھ فائدہ ہو اور عبرت ملے کچھ لکھنا یا بولنا یہ مفید چیز ہے، مگر افسوس کہ لوگ صرف اتنا کر کے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہم نے ان کا حق ادا کردیا، یہ غلط بات ہے بلکہ ان کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کرنا چاہئے اور تعزیتی جلسہ میں آپ کے وارثین اور شاگردوں وغیرہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: مولانا کا آپ سبھی حضرات پر یہ حق ہے کہ آپ کو ایصال ثواب کریں اور روزانہ کے معمول میں یہ داخل کرلیں اور جب جتنا ہو سکے ایصال ثواب کیا کریں چاہے ایک قل ہو اللہ ہی کیوں نہ ہو روزانہ بھیج دیا کریں۔

حضرت والا نے بھی اپنے وصیت نامہ میں اپنے متعلقین سے اس کی گذارش کی ہے آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب کا انتظام، اہتمام کیا جائے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت والا کی مغفرت فرمائے۔ان کے درجات بلند فرمائے۔ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اوران کے برکات وفیوض سے ہمیں اور ساری امت کو استفادہ کی توفیق دے۔آمین

ابر رحمت ان کی قبر پر گہر افشانی کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

محمد خالد خان قاسمی عرف جاوید
خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم
۱۰/صفر المظفر ۱۴۳۲/ مطابق ۱۵/جنوری ۲۰۱۱/

☆☆☆

وصیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصايا خاصة للورثة

نوٹ: حضرتؒ کی تحریرات میں ایک وصیت نامہ بزبان عربی لکھا ہوا ملا جو معلوم نہیں کہ کب لکھا گیا ہے، تاہم وصیت نامہ کبھی کا ہو معتبر اور قابل عمل ہے، لہذا اس کو یہاں ترجمہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

اللهم اغفرلی ذنبی كله دقه وجله وظاهره وباطنه

(١)هذه وصية مودع لاينبغی الذهول أو الاعراض عنها

(الف)أوصيكم بتقوى الله وخشيته فی السروالعلن والاجتناب عن المعاصی والفواحش والمنكرات لاسيماعن أخذ التصاويروتلويزن وغيرهامن الفواحش .

(ب)عليكم بالصلوات الخمس والذكروالتلاوة والمواظبة على هذه الأموروالدعاءلی عقيب العبادات.

(ج)لاتنسوا أكل الحلال والحذرعن الحرام.

(د)أسأل العفووالصفح عن جميع ذلاتی وخطيئاتی وفتوری وقصوری فی

أداء حقوقكم الواجبة.

(ہ)ألتمس من جميع الأقارب أن يصفحواعنى ماآذيتهم أوشتمتهم أو لعنتهم أوأسرفتهم فى أمورهم وظلمت فى حقوقهم وأطلب منهم أن لا ينسونى فى دعواتهم الصالحة.

(و)وألتمس من جميع الأصدقاء وخلانى وطلابى وتلاميذى أن يعفووا و يصفحواعنى ماأسرفت وظلمت فيهم أوقصرت عن حقوقهم وأن لاينسونى فى دعواتهم الصالحة وأن يسعوا ويجتهدوا ماتيسرلهم لايصال الثواب.

(ز)أنى مع اعتراف بأنى مذنب خاسر ظالم لنفسى وأنى ضيعت عمرى و لمحات فرصتى فى الانهماك فى المعاصى والشهوات واتباع الهوى وانى كنت مكبا على حصول هذه الدنياالدنية أرجواالله رحمته الواسعة ومغفرته الفسيحة.

(ح)أرجوا بل ألتمس منكم مع كل اصرار أن تصيروا ٍفىّ ثواباجارياو صدقة باقية تلطفًا بى واحسانًاعلىَّ.

(ط)ألتمس منكم أيها الورثة أن تقسموا تركتى كماأمر الشرع ولا تختلفوا ولاتختصمواولاتجادلوا وكونوا اخوانا أوأخوات صالحة مطيعة لأوامر الله و مجتنبة عما نهاه.لايظلم أحد أحدا ولايخدعه،ولايذله بل كل أحد يجتهد أن يساعد صاحبه وينصره ويأخذ بيده اذاظلم أوعصى الله.

(ی)اعلمواجميعا وعضوا بالنواجذ أن الدنيا فانية ،هالكة ،خداعها واضح ،

وزينتها امتحان وابتلاء واختبار، زوالهاقريب،فنائها أجلى من ضوء الصباح فضلا عن المصباح لاتغتروا بالحياة الدنيا ولاتجترؤا على المعاصى ولاتغفلوا عن الموت فانه فى معاقبتكم كل حين لايعلم أحد متى يأخذه الموت ولايمكن أن يبين أحدأن المنية فى أى حين وأية ساعة وأيةحالة تنشب أظفارها و مخالبها لابد لكل اِمرأ يريدالسعادة والفوزوالفلاح فى الآخرة أن يكون مستعدا و مجتهدا لاستقبال الحيٰوة الأخروية ولايخوض فى بحر الشهوات والظلمات و لاينهمك فى اتباع النفس والهوى.

(ك)لابد لكل أحد أن يطيع الله ورسوله ويجتنب عن معصيتهما وأيضا يجب عليه أن يجتهدكل الاجتهاد فى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر و يجعل الدعوة الى الله وظيفة حيٰوته.

لايضيع حياته القيمة الثمينة فى كسب المال وحصول حطام الدنيا الدنيئة كما ضيعت من حياتى حصّةً طويلة لامحصل له سوى الأسف.

ينبغى لكل أحدأن يؤدى عنى ديونى حيث كان أويستعفى عن الدائن.

اللهم اغفرلى ماأسرفت وماأسررت وماأعلنت وأخلفنى خيرامنها.

☆☆☆

ترجمہ وصیت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وارثین ومتعلقین کے لئے خصوصی وصیتیں

(از: حضرت مولانا اسلم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

اے اللہ! میرے چھوٹے بڑے اور ظاہری وباطنی گناہوں کو معاف فرما

(۱) یہ ایک رخصت ہونے والے کی وصیت ہے جس سے اعراض اور غفلت مناسب نہیں۔

(۲) میں آپ تمام گھر والوں کو تقوی اختیار کرنے اور جلوت وخلوت میں اللہ سے ڈرنے اور گناہوں، بے حیائی کی باتوں اور برائیوں سے بالخصوص تصویر لینے اور ٹیلیویزن دیکھنے وغیرہ سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔

(۳) آپ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پنجوقتہ نماز اور ذکر وتلاوت کی پابندی کریں اور جملہ عبادتوں کے بعد میرے لئے دعا بھی کرتے رہیں۔

(۴) حلال کھانے اور حرام سے پرہیز کرنے کو نہ بھولیں۔

(۵) میں اپنی تمام لغزشوں، خطاؤں اور آپ کے حقوق کی ادائیگی میں جو مجھ سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اس سے معافی چاہتا ہوں۔

(۶) میں اپنے تمام رشتہ داروں سے جو کچھ میں نے انہیں اذیت دی، برا بھلا کہا، ملامت کی یا کسی معاملہ میں زیادتی کی یا ان کے حقوق میں کمی زیادتی کی ہے اس سے معافی کا

خواستگار ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے نہ بھولیں۔

(۷) اور میں اپنے تمام ساتھیوں، دوستوں اور اپنے شاگردوں سے گزارش کرتا ہوں کہ میں نے ان پر جو ظلم وزیادتی یا ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے اس کو درگذر فرمائیں اور مجھے اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولیں اور جتنا ہو سکے ایصال ثواب کرنے کی کوشش کریں۔

(۸) میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ میں ایک گنہگار، ناکام، اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوں اور میں نے اپنی عمر عزیز اور فرصت کے لمحات کو گنا ہوں، اور نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ کر گنوادیا اور اس گھٹیا دنیا کے حاصل کرنے میں لگا رہا، لیکن اب میں اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہی سے اس کی وسیع رحمت اور کشادہ مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔

(۹) میں امید بلکہ بتاکید درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھ پر مہربانی اور احسان کرتے ہوئے میرے لئے صدقہ جاریہ کا انتظام کریں۔

(۱۰) اے وارثو! میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ میرے ترکہ کو شریعت کے موافق تقسیم کریں اور اختلاف اور جھگڑا نہ کریں بلکہ بھائی بہن بن کر رہیں نیکی کو اپنائیں اور اللہ تعالی کے احکام کو مانیں اور اس کی منع کردہ باتوں سے بچیں۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، دھوکہ نہ دے، ذلیل و بے عزت نہ کرے بلکہ ہر کوئی اس بات کی کوشش کرے کہ وہ اپنے بھائی کے کام آئے اور جب کوئی کسی پر ظلم کرے یا اللہ کی نافرمانی کرے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو روکے۔

(۱۱) آپ سب جان لو اور اس نصیحت کو مضبوط پکڑ لو کہ دنیا فنا اور ہلاک ہونے والی ہے جس کا دھوکہ واضح اور اس کی زیب وزینت امتحان اور آزمائش، اس کا زوال قریب اور اس

کا فنا ہونا چراغ کی روشنی تو دور کی بات ہے صبح کی روشنی سے بھی زیادہ واضح ہے اور دنیاوی زندگی سے دھوکہ نہ کھاؤ اور گناہوں پر جری اور دلیر اور موت سے غافل مت ہو جاؤ، بلاشبہ وہ ہر وقت تمہارا پیچھا کر رہی ہے، کوئی نہیں جانتا کہ موت اسے کب آ پکڑے گی اور کسی کے بس میں نہیں کہ وہ موت کے بارے میں بتادے کہ کس وقت کس گھڑی اور کس حالت میں وہ اپنا پنجا گاڑے گی، ہر وہ شخص جو آخرت میں فلاح و کامیابی چاہتا ہے اس پر ضروری ہے کہ وہ اخروی زندگی کے لئے تیار رہے اور خواہشات اور اندھیریوں کے سمندر میں غوطہ نہ لگائے اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرے۔

(۱۲) ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور ان کی نافرمانی سے بچے اور نیکی کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے کی بھی کوشش کرے اور دین کی دعوت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالے۔

(۱۳) اپنی قیمتی زندگی کو مال و متاع اور اس گھٹیا دنیا کی کمترین چیزوں کے کمانے میں نہ گنوائے، جیسا کہ میں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ضائع کر دیا جس کا سوائے کف افسوس ملنے کے کوئی حاصل نہیں ہے۔

(۱۴) ہر ایک کو چاہئے کہ وہ میرے قرضے جہاں کہیں بھی ہوں ان کو ادا کرے یا قرض خواہ سے معاف کروالے۔

اے اللہ! کھلے چھپے میں کی ہوئی میری زیادتیوں کو معاف فرما اور میرے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے۔

☆☆☆

﴿ایک اہم گزارش﴾

عرصہ دراز سے حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی خواہش وارادہ تھا کہ علماء واولیائے جنوبی ہند بالخصوص کرناٹک اوراس کے اطراف کے علاقوں میں گذری ہوئی اہم علمی وروحانی شخصیات، جنھوں نے ان علاقوں میں دینی وعلمی خدمات انجام دی ہیں، ان کے حالات زندگی مرتب کئے جائیں، جس میں ان کی دینی، علمی، دعوتی خدمات کو نمایاں طور پر اجاگر کیا جائے۔ چنانچہ الحمدللہ حضرت والا کی نگرانی میں یہ کام شروع ہو چکا ہے اور چند بزرگوں کی زندگی مرتب بھی کی جاچکی ہے۔(اور یہ نقوش بھی اسی جذبہ کے تحت حضرت والا نے مرتب کروائے ہیں، کہ حضرت موحوم کے یہ نقوش تاریخ کے اورق میں محفوظ ہوجائیں)

مگر جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں گذری ہوئی شخصیات پر کم لکھا گیا ہے اوران کے حالات کو منظر عام پر لانے کی جد و جہد نہ ہونے کے برابر ہے اس لئے ان شخصیات پر کام کرنا ایک مشکل ترین کام ہے، لہذا ہم گزارش کرتے ہیں کہ جن حضرات کے پاس اس سلسلہ میں تحریری یا تقریری مواد ہو وہ حضرات اس کام میں ہمارا تعاون فرمائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت والا یا مرتب کتاب سے رابطہ کریں۔

موبائل:۹۹۰۰۲۹۳۴۰۴ محمد خالد